من قماش فروشِ دلِ صد پارۂ خویشم

برہم ناتھ دت

دل دا پاٹ

مطبوعہ: ——— یونائٹیڈ انڈیا پریس لکھنؤ

پرنٹر: ——— قادر علی ہاشمی

ناشر ——— نگار بک ایجنسی

قیمت: ——— تین۳ روپیہ

مطبوعہ دسمبر سنہ ۱۹۶۰ء

فہرست اغلاط

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
عرض حال	۶	امن	آمن
فہرست ۵	۱۷	ماڈل گاؤں لاہور	ماڈل ٹاؤن امرتسر
۶	۱۱	اندازہ	انداز
۷	۱۱	بھوگ	بھوک
۱۲	۱	اگر انسان اشرف المخلوقات ہی	اگر یہی انسان اشرف المخلوقات
۱۵	۱۳	انسان زندگی	انسانی زندگی
۱۶	۵	دار و رسن کے	دار و رسن کو
۱۹	آخری سطر	پریم ناتھ دت	برہم ناتھ دت
۲۶	آخری سطر سے پہلی	اس میں	بول میں
۲۷	〃	لطف	لطفے
۳۲	۱۰	ٹانوں	پاؤں
〃	۱۴	دماغ	دماغ
۳۹	۱	انگریزی کی طرف توجہ کی ضرورت ہے	(مکرر آگیا)
۴۴	آخری سطر سے پانچویں	وہ مجھ کو	وہ جو مجھ کو
۵۲	۵	اولا دیں	اولاد ہیں
۶۱	متعدد سطریں	اونپا	اوپنا

۸۲	۵	سمیٹے ہوئے ہے	سمیٹے ہوئے
۷۹	۴	موت	موت سے
۸۹	۴	گفتی	گفتنی
۱۰۱	۱۲	برلو	برتو
۱۰۲	۴	دیونا	دیوتا
〃	۷	امرکو	امر
۱۰۴	آخری	سب سے سب	سب کے سب
۱۲۱	۱۳	ناممکن الحصول	ناممکن الحصول تھا
۱۲۳	آخری سطر سے پہلی	سینٹ پال کا یسوع	سینٹ پال یسوع
۱۲۵	۱۳	پانی سے	پانی میں
〃	۱۵	ہردم پر	ہرقدم پر
۱۲۶	۴	متلاشی	تلاشی
۱۲۸	۳	جہاں	جہان
〃	۱۶	رے	ترے
۱۳۰	۶	بھی کچھ ہے	بھی یہی کچھ ہے
۱۳۵	۷	کس چیز پر	کسی چیز پر
۱۳۷	۴	تھیک	ٹھیک
۱۳۹	۱	عالم گیر	عالم گیر جنگ
〃	۱۶	انھیں	نہیں

۱۴۳	۱۳	وہ بے چاری	اس بے چاری کو
۱۴۹	آخری سے تیسری	تمھاری سازِ ہستی	تمھارے سازِ ہستی
۱۵۰	۶	فرہاں	فرحاں
۱۵۳	۱۲	ان بھڑے	رن (لڑائی) بھڑے
۱۵۵	۱۳	ڈوب مرنا ہے	ڈوب مرتا ہے
"	۱۵	کرنا چاہیئے	کرنے چاہئیں
۱۶۶	آخری سطر	کہی ہوئی بات	کہی ہوئی وہی بات
۱۶۷	۳	انچہ برخود	انچہ تو برخود
"	۴	سامنے رکھو	سامنے رکھو گے
۱۶۹	۷	مارنا	مارتا
۱۷۳	۹	ڈھال لینے سے ہی سے	ڈھال لینے ہی سے
"	۱۴	گے	کے
۱۷۵	آخری سے پہلی	زچہ	ارچہ
۱۷۶	۳	کرکس	ہرکس
"	۴	خو	نخود
"	۹	بودکل	بودگل
"	۱۳	لعبد	معبد
"	۱۷	تڑی	بڑی
۱۷۷	آخری سے پہلی	دسوا ناتھ	وشوا ناتھ

۱۷۸	۱۴	غم دخواری	غم خواری
۱۸۰	۱۰	معیاد	میعاد
۱۸۱	۱	گل کرنے والے	گل کترنے والے
"	۱۴	لاتے	لانے
۱۹۰	۱۳	دیا	دکھا
۱۹۲	۱	اس کی عظمت	اس عظمت
"	۲	بے آواز	بے آوازہ
۲۰۱	۳	الوالفصاحت	ابوالفصاحت
۲۰۷	۲	کرلیا	کرلینا
۲۱۳	۴	سرک	شرگ
"	۱۸	فرذی	ضروری
۲۱۷	۱	ایک بزرگ	ایک بزرگ ہو
"	۷	جستن جو	جستن زجو
۲۲۰	۷	اس وفات	اس نے
۲۳۴	۷	اس کے بھیپھڑے	اس کو بھیپھڑے
۲۳۶	۶	کہا جاسکتا	کیا کہا جاسکتا
۲۴۴	۳	لامی	امامی
"	۶	ہربار	ہربام
۲۴۰	۶	لعداگر تقدیر	لعد تقدیر

انتساب

حیاتِ ارضی کے مطالعہ و تجربہ کی یہ روداد، کامل اعترافِ عجز کے ساتھ علم و فضل کے بطلِ عظیم "غبارِ خاطر" کے خالق

مولانا ابوالکلام آزادؒ

کی نذر کرتا ہوں

جن کی زبان و قلم سے نکلا ہوا، ایک ایک لفظ، دُرِ شہوار سے زیادہ قیمتی، اور لعلِ شب چراغ سے بڑھ کر درخشاں ہے

پائے ملخے پیشِ سلیماں بُردن
عیب است، ولیکن ہنر است از مورے

برہم ناتھ دت

عرضِ حال

جراحتِ جگر خستگاں چہ مے پرسی
زغمزہ پرس کہ ایں شوخی از کجا آموخت؟

اشاعت کتاب کی تحریک علامہ محمد حسین عرشی کی عنایت ہے اور رائے بہادر لابھ چند مہرہ کا اصرار، نام علامہ نیاز فتح پوری کی کرم بخشی، ترتیب افسر الشعراء اودن سنگھ ہنر کا التفات اور دیکھ بھال، جناب کنس راج امن کی توجہ "انتساب"، حضرت مولانا آزادؔ کے نام ہے، "پیش لفظ" جناب خواجہ غلام السیدین کی نوازش و ذرہ نوازی ہے، الفاظ تمام کے تمام لغات کے ہیں، جملوں کی ترکیب صرف و نحو کی پابندی ہے، خیالات و نظریات بزرگوں کے اقوال ہیں، تمام خطوط دوسروں کے نام ہیں، اپنے نام کا ایک بھی نہیں، لکھائی چھپائی کا ذمہ دار کوئی دوسرا ہے اور روپیہ بنک کا ہے، الغرض اس کتاب میں میرا اپنا کچھ بھی نہیں، سر بسر

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا

کی سی کیفیت ہے، سرورق پر میرا نام ضرور ہے، وہ بھی اس لئے کہ "کنبہ جوڑنے والا بھان متی" میں ہوں!

اگر یہ کتاب قابل تعریف ہو تو اس کے مستحق وہ ہیں جن کا میں خوشہ چیں ہوں اور اگر ناقابل قبول ہے تو میری کم فہمی کا قصور ہے، جس کا میں معترف ہوں، پھر بھی سر رچرڈ سٹیل Sir Richard stale کا ہم نوا ہوں کہ "اگر یہ تحریر انسانی گمراہیوں اور برائیوں کی کچھ اصلاح کر سکے یا نیک آدمیوں کو ڈھارس دے سکے، تو میں اپنی محنت کو رائیگاں نہ سمجھوں گا۔

میں نے جن جذبات کے زیر اثر یہ خطوط لکھے ہیں انکا ذکر وکٹر ہیوگو کی زبان سے سُن لیجئے:۔

"محبت کرنے والے خط و کتابت کے بیشمار مخفی ذرائع رکھتے ہیں وہ حکم دیتے ہیں طیور کے نغموں کو، پھولوں کی نکہت کو، کلیوں کے تبسّم کو، چاندنی کی روشنی کو، تاروں کی شعاعوں کو، یہاں تک کہ وہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں "اے بہار تو بھی ایک خط ہے جو میں اپنے محبوب کو لکھتا ہوں"۔

"میں نے گلی میں ایک نہایت غریب شخص کو دیکھا جو کسی سے محبت کرتا تھا، اس کی ٹوپی پھٹی ہوئی تھی اور لباس تار تار، پانی اُس کے جوتوں کے اندر سے گزر رہا تھا۔ اور ستارے اُس کی رُوح کے اندر سے"۔

ساہوال (گورداسپور)
۲۲ ستمبر ۱۹۶۰ء

برہم ناتھ دت

شنو افسانۂ رسوائی من

جناب خواجہ غلام السیدین

جوں جوں اس مجموعہ کو دیکھا مصنف کی قدروں کی، ان کے فکر و نظر کی، ان ادبی رنگوں کی جو انھوں نے زندگی کی نقاشی میں بھرے ہیں، ان سب کی وقعت میرے دل میں پیدا ہوتی گئی، ان خطوں میں نیکی، شرافت اور انسانیت کا وہ احترام ہے جو زمان و مکان دونوں کی حدبندیوں سے آزاد ہے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے جس میں ادب، تاریخ، مذہب، فلسفہ سبھی آجاتے ہیں۔

دت صاحب کا انداز بیان بہت سلیس و دلنشین ہے جس سے اگر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے خیال کا سرچشمہ کہاں ہے تو اسی کے ساتھ ان کی انفرادیت بھی متعین ہو جاتی ہے،

حضرت نیاز فتحپوری

جناب برہم ناتھ قاصر بڑے وسیع المطالعہ انسان ہیں، اُردو فارسی شاعری کے علاوہ مغربی ادب پر بھی بڑی گہری نظر رکھتے ہیں اور تاریخ مذاہب عالم پر بھی آپ کو غیر معمولی عبور حاصل ہے۔ لیکن سب سے زیادہ اثر آپ پر متصوفانہ ادب اور حکمیاتی لٹریچر کا ہے جس نے آپ کو بتایا کہ مذاہب عالم کی بنیاد صرف انسانیت پرستی ہے اور ہیئت اجتماعی کی تعمیر ہوتی ہے صرف جذبۂ خلوص و محبت سے۔

ان کا مجموعۂ مکاتیب (ڈال ڈال۔ پات پات) محض معمولی خطوط کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ نہایت لطیف و دلچسپ داستان ہے خود ان کی پاکیزگی اخلاق کی، ان کی وسعت نظر کی، جو ادب و انشا کے لحاظ سے ایک آبشار گہربار ہے اور معنوی حیثیت سے پند نامۂ فریدالدین عطار۔!

فہرست

پیش لفظ

(عالی جناب خواجہ غلام السیّدین صاحب مشیر تعلیم
جمہوریہ ہند - نئی دہلی)

بعض مرتبہ احباب اور کرم فرما جو مجھ سے بخوبی واقف نہیں، اور اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ یہ ایک "پڑھا لکھا" آدمی ہے، اپنی تصانیف پر مقدمہ یا پیش لفظ لکھنے کی فرمائش کر دیتے ہیں، اکثر تو اس آزمائش سے بہ لطایف الحیل بچ نکلتا ہوں، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ اس کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی اور مقدمہ لکھنا ہی پڑا۔

یہ کام آسان بھی ہے اور مشکل بھی، اگر کتاب اچھی ہے تو تعریف کرنا خوش گوار ہے، دشواری اُس وقت پیدا ہوتی ہے، جب کتاب کی خوبی کے بارے میں مصنف اور مقدمہ نگار میں اختلاف رائے ہو - اس حالت میں اس کے سامنے کئی راستے ہوتے ہیں، اگر اس کے ہاتھ وضع داری اور تقاضلئے

اخلاق سے بند ھے ہیں تو وہ چند مبہم یا عام باتیں کہنے پر بس کرتا ہے، جس کا کتاب سے کوئی خاص تعلق ہونا ضروری نہیں، اور اس طرح ریا کاری کے سہارے اپنے ضمیر اور مصنف کی خوش فہمی، دونوں کو مطمئن کر دیتا ہے، برخلاف اس کے اگر ادبی ضمیر زنجیر پا نہیں ہے تو وہ اس کی دل کھول کر تعریف کر سکتا ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ وہ مردِ مجاہد ہو، اور بے باک سچائی سے کام لے، اس میں فائدہ یہ ہے کہ "پیش لفظ" عام طور پر شائع نہیں ہوتا اور آئندہ کے لئے بھی اس قسم کی فرمائشوں کا راستہ بند ہو جاتا ہے

چودھری برہم ناتھ دت قاصر کی اس تصنیف "ڈال ڈال - پات پات" کی کہانی جہاں تک موجودہ مقدمہ نگار کا تعلق ہے، ذرا دلچسپ ہے۔ اُن کے فرزند دتّا[1] صاحب نے مجھ سے فرمائش کی، کہ میں اُن کے خطوں کے مجموعے پر نظر ڈالوں اور ہو سکے تو اُس پر ایک "پیش لفظ" لکھوں، مجھے دتّا صاحب سے نیاز حاصل نہیں، نہ بدقسمتی سے اُن کی تحریروں سے واقفیت ہے، کس طرح وعدہ کروں؟ میں نے وقت کی کمی کا عذر کیا جو آج کل کی زندگی میں ایک عذرِ مستقل ہی نہیں بلکہ قدرِ مستقل بن گئی ہے، لیکن اُن کا اصرار میرے عذر پر غالب آیا، اور میں نے کہا کہ وقت نکال سکا تو خطوں کو پڑھوں گا لیکن "پیش لفظ" لکھنے کا وعدہ نہیں کر سکتا، لیکن دل میں یہ خیال ضرور تھا کہ کسی طرح فرمائش کی تعمیل سے بچ نکلوں گا، زندگی میں اتنے سرکاری، نیم سرکاری اور ذاتی خط پڑھنے پڑے ہیں اور اُن میں سے نوّے ۹۰ فی صدی کو اس درجہ بے مزہ پایا ہے

---

[1] چودھری وشوا ناتھ دتا۔

کہ بہ حیثیت ایک صنفِ ادب کے ان کے ساتھ دل کشی کا تصور وابستہ کرنا مشکل ہوگیا ہے، بہر حال خط پڑھنے کا وعدہ کر چکا تھا اور اس کو پورا کرنا لازم تھا، چنانچہ کئی ماہ کے بعد ایک رات میں نے جستہ جستہ نظر ڈالنی شروع کی تھوڑی دیر کے بعد سنبھل کر بیٹھ گیا اور یہ احساس ہوا کہ ان خطوں کو پڑھنا ایک ناخوشگوار فرض کی ادائیگی نہیں، ایک خوش گوار ادبی تجربہ ہے، جوں جوں اس مجموعے کو دیکھا اور پرکھا، ان کے مصنّف کی، ان کی قدروں کی، ان کی فکر و نظر کی، ان ادبی رنگوں کی جو اُنھوں نے زندگی کی نقاشی میں بھرے ہیں، ان سب چیزوں کی وقعت میرے دل میں پیدا ہوتی گئی اور اس بات کا اندازہ ہُوا کہ ہماری قوم اور زبان کے بطن میں بہت سے گوہر ہیں جن سے جوہر شناس کی نظر ناآشنا ہے یہ افسوس کا مقام تو بہر حال ہے لیکن خوشی کی بات بھی ہے، جس گوہر کی پرکھ نہیں ہوئی، وہ اُس گوہر سے بدرجہا بہتر ہے، جس کا وجود ہی نہ ہو!

ان خطوں کی پہلی خوبی جس نے مجھے متاثر کیا وہ اچھی اور شریف انسانی قدریں ہیں جو ان میں شروع سے آخر تک ہر مقام پر روشن ہیں، ان میں رواداری اور انسان دوستی ہے اور اس قدر گہری کہ نہ زندگی کی ذاتی تلخیاں اس کو مکدر کر سکیں، نہ تقسیم ہند کی قیامت جس نے ہندوستان اور پاکستان کے بیشتر لوگوں کے ذہن اور جذباتی توازن کو تہ و بالا کر دیا تھا، اُنھیں اپنے پرانے دوستوں اور عزیزوں سے جو سیاست کے انقلاب کی وجہ سے ایک نئے ملک کے شہری بن گئے ہیں،

وہی محبت ہے جو ہمیشہ تھی اور وہ اُس کا اظہار جس کھلے دل سے کرتے ہیں وہ ہندوستانیوں اور پاکستانیوں دونوں کے لئے باعثِ عبرت اور قابلِ تقلید ہے، اسی خلوص اور محبت کا فیض ہے کہ ان کے پاکستانی دوستوں کو بھی اُن سے وہی گہری محبت ہے۔ اس ضمن میں فروری ۱۹۵۱ کا ایک مختصر سا خط جو انھوں نے پروفیسر بشمبر داس گپتا کے نام لکھا ہے قابلِ ذکر ہے، لکھتے ہیں:۔

"علامہ عرشی سے سرحد کے اس مقام پر جس کو ہم ہندوستانی اور پاکستانی بغیر کسی نزاع کے "نومینز لینڈ"¹ کہنے پر رضامند ہو گئے ہیں، میری ملاقات ہوئی وہ ہندوستانی ہیں، میں پاکستانی، گر وہ پاکستان میں رہتے ہیں اور میں ہندوستان میں، وہ اپنی املاک بحق سرکارِ ہند یہاں چھوڑ گئے ہیں اور میں اپنا ورثہ بحق سرکار پاکستان وہاں چھوڑ آیا ہوں! ہم دونوں دوست، ہجرت کے وقت صرف اپنے اپنے تلخ تجربے اور تلخ یادیں اپنے ساتھ لا سکے، اور وہ باوجود کوشش کے بھولنے میں نہیں آتیں دونوں حکومتوں کے نمائندے ہماری گفتگو کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لئے لپکے، ہم نے ازراہِ احتجاج زبانیں بند کرلیں اور اپنی آنکھوں کے پٹ کھول دئے، یہاں تک کہ دس منٹ بیت گئے، اور ہم دونوں حکومتوں کے مفاد اور امن عامہ کے مفاد کے تحفظ کے لئے ایک دوسرے سے جدا کر دئے گئے"

---

¹ (NOMAN·SLAND) لے

جاتے وقت میں نے اپنے سر کے سفید بالوں کا ایک گچھا نوعِ کرائینی یاد کے طور پر اُن کو سونپ دیا کیونکہ اس سے بہتر تحفہ اُنھیں دینے کے لئے میرے پاس کچھ اور نہ تھا، انھوں نے اپنی جانکاہی اور دل سوزی جو صفحۂ قرطاس پر لکھ رکھی تھی، مجھے سونپ دی اور اب بھی میرے پاس محفوظ ہے اور جان سے زیادہ عزیز۔

میرے دوست، میرے عزیز، تم ہمارے گھاؤ کی گہرائیوں کو کیوں کر جان سکتے ہو، تم شرنارتھی پناہ گیر یا مہاجر نہیں، جس کی نہ پھٹی ہو بوائی وہ کیا جانے پیر پرائی ع

"قدرِ صحت را نداند ہر کہ او بیمار نیست"

اُن خطوں میں نیکی اور شرافت اور انسانیت کے ہر سُر کا احترام ہے جو زمان اور مکان دونوں کی حد بندی سے آزاد ہے جہاں کہیں انھیں ان کی جوت دکھائی دیتی ہے، وہ بڑھ کر اس کا خیر مقدم کرتے ہیں، اس کے لئے ان کے دل و دماغ کے دروازے ہر وقت کھُلے رہتے ہیں۔ "حکمت مومن کی کھوئی ہوئی پونجی ہے" جہاں ملے وہ اُس کو اپنا سکتا ہے اس میں کسی کی اجارہ داری نہیں اور "جس کو حکمت مل گئی اس کو بہت سی خوبیاں اور نیکیاں ہاتھ آجاتی ہیں"

(قرآن شریف)

اُنھوں نے ایک مرتب اور مہذب دماغ پایا ہے، جس کے بنانے میں پُرانی تعلیم کی ہمہ گیری اور جدید تعلیم کی روشن خیالی دونوں کا دخل معلوم دیتا ہے، اُن کا

مطالعہ بہت وسیع ہے اس میں ادب، تاریخ، مذہب، فلسفہ سبھی آجاتے ہیں، فلسفۂ مذاہب میں اُن کی نظر خاص طور پر گہری ہے، ادب کے میدان میں اُن کے ہاں قدیم اور جدید ادب، اُردو اور ہندی ادب، سنسکرت، عربی اور فارسی ادب، رومی اور یونانی ادب سبھی کے دل نشین نمونے ملتے ہیں، یہ حوالے محض بھرتی یا آرائش کے لئے نہیں بلکہ اکثر خطوں میں جان ڈال دیتے ہیں، بلکہ بعض خط محض اس لئے لکھے گئے ہیں کہ اپنے بیٹے یا دوسرے عزیزوں اور دوستوں کو اس لطف اور مسرت میں شریک کریں جو اُنھیں ان شاہکاروں اور ادبی جواہر پاروں کے مطالعہ سے حاصل ہوئی ہے،

یہ ضرور ہے کہ خطوں میں نصیحت کا عنصر غالب ہے لیکن نصیحت کرنا بجائے خود کون سا گناہ ہے؟ نفسیاتی اور ادبی اعتبار سے کوئی چیز گناہ ہے تو نصیحت کا وہ انداز جو اُسے کونین کی کڑوی گولی بنا کر سننے اور پڑھنے والے کے گلے سے جبراً اُتارنا چاہتا ہے لیکن قامرؔ صاحب اس گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے وہ اپنی نصیحت میں اچھی اچھی کہانیوں، قصّوں، لطیفوں، نظم اور نثر کے دل کش اور بلند پایہ نمونوں کو اس خوبی کے ساتھ پروتے ہیں کہ وہ بارِ خاطر نہیں بنتی، ہاں یہ شرط ضرور ہے کہ پڑھنے والا کچھ ادبی ذوق رکھتا ہو، اور محض سستے افسانوں اور گھٹیا ادب کے مطالعہ سے اس کی نقد و نظر کی صلاحیت ضائع نہ ہو گئی ہو، اُن کی تحریر میں کہیں کہیں لطیف اور شائستہ طنز اور ظرافت کی چاشنی بھی پائی جاتی ہے، جو نصیحت کے ہضم کرنے میں بہت مفید ہے

دت صاحب کا انداز بیان بالعموم بہت سلیس اور دل نشین ہے، جس سے اگر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اُن کے خیال بلکہ اندازِ اظہار کا سرچشمہ کہاں ہے، تو اسی کے ساتھ اُن کی انفرادیت بھی متعین ہو جاتی ہے اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کسی بدمزاج پڑوسی سے ذرا سی دیر کے لئے کوئی چیز مستعار لی ہے جس کو وہ اپنا نہیں سکتے، پھر اُن کے انداز بیان میں مختلف سُر ہیں، کہیں انتہائی سادگی ہے تو کہیں شوکت اور بلند پروازی، کہیں وضاحت ہے تو کہیں اشاریت، لیکن ہر وادی میں وہ تصنع کے دلدل سے بچتے ہوئے خلوص کی پگڈنڈی پر چلتے ہیں، اس پل صراط سے اُن کے قدم اِدھر اُدھر نہیں ہو پاتے، بہت سی مثالیں دینے کو جی چاہتا ہے، مگر جب کتاب آپ کے سامنے موجود ہے، تو اس تحصیل حاصل سے کیا حاصل، چند مثالیں محض اس خیال سے دیتا ہوں کہ دستر خوان پر بیٹھنے سے پہلے بھوک جاگ اُٹھے۔

یہ خط اپنے ایک پُرانے دوست حکیم محمد سکندر خضر کے نام لکھا گیا ہے، جو شہر امرتسر کی کانگریس کمیٹی کے صدر تھے، اس کی تاریخ (۱۸ جولائی ۱۹۴۷ء) بھی قابلِ لحاظ ہے، انھیں امرتسر سے بادلِ ناخواستہ پاکستان جانا پڑا تھا، لیکن وہ بعد میں ہندوستان واپس آ گئے، اور اُنھیں یہاں کی عزیز مٹی نصیب ہوئی، دت صاحب نے اشاریت کے انداز میں اُن کی جیون کہانی یوں بیان کی ہے۔

"پیارے بھائی،

بیشتر اس کے کہ میری زبان بند ہو جائے، اپنی کہانی میری زبانی

سُن لے، کہانی سادہ، مختصر اور غیر رومانی ہے، نہ اس میں گل و بلبل ہے نہ دف و چنگ نہ مے و مینا، نہ ہجر و وصال، نہ ساقیٔ مہوش، بس ایک روکھی پھیکی روداد ہے، ایک طفل مکتب تھا، اُس نے اپنے جُزدان کو اپنے بازار کے چوراہے میں پھینکا، اور ادائے غرور اور شانِ بے نیازی سے نعرۂ حق لگایا

عمرے ست کہ افسانۂ منصور کہن شد

من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را

چنانچہ وہ قید و بند کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا اور گہرے سکون میں ڈوب گیا، انا لحق کی یہ صدا درختوں نے نسیم سحری سے سُنی، اور طیور کو سُنائی، طیور نے اس کو دل کش راگنیوں میں ڈھال کر فضا میں بکھیر دیا، زمانے نے انگڑائی لی، کروٹ بدلی، قلب و فکر کی قوتیں بیدار ہوئیں، تحریک اور حرکت کا دور شروع ہوا، ظلم و استبداد کے ایوان ہل گئے، قید و بند کی زنجیریں ٹوٹ گئیں، ارض و سما میں "انقلاب انقلاب" کا سامعہ شکن شور بلند ہوا، دنیا زیر و زبر ہو گئی، پھر نہ کوئی بندہ تھا نہ بندہ نواز نہ کوئی حاکم تھا نہ محکوم، نہ کوئی جابر تھا نہ مجبور، میرے دوست، میرے رفیق، تمہاری یہ کہانی کتنی مختصر ہے مگر کتنی پرشکوہ

اس انداز بیان سے بہت مختلف اپنے بیٹے کے نام کا مندرجہ ذیل "خط" جس میں ایک کلاسک سادگی کا انداز ہے، ملاحظہ فرمائیے

"دوست!

بالیقین ہم سب بھائی ہیں
خدا ہمارا باپ ہے اور دھرتی ہماری مائی
شاہ ہو کہ گدا بے نوا ہو یا با نوا
خدائی نعمتوں میں برابر کے حصّے دار ہیں
برابری میں مہتری، کمتری کہاں؟
دوست
بالیقین ہم سب بھائی ہیں
سُورج کی ضیا، چاند کی چاندنی
آبِ رواں کی شادابی
گل زار کی دلآویزی
نسیم کی عطر بیزی میں برابر کے حصّے دار ہیں
دوست بالیقین ہم سب بھائی ہیں"

(۲)

"بھائی عقل کی آنکھیں کھول بصیرت سے کام لے
چھلکا پوست ہے، پھل پہ نگاہ رکھ
جسم لبادہ ہے، سیرت کو دھیان میں لا
حق و باطل، نور و ظلمت کو پہچان

بھائی عقل کی آنکھیں کھول بصیرت سے کام لے

جمود، موت ہے، حرکت، زندگی

نیکی بقا ہے، بدی فنا

اپنے سود و زیاں کو پہچان

بھائی عقل کی آنکھیں کھول بصیرت سے کام لے"

ایک اور خط ہے اپنے دوست امیر چند گپتا کے نام جس میں مبارز طلبی کے انداز میں سوال اٹھایا گیا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے یا ارذل المخلوقات، یہ گویا "شکوہ" ہے اس کی چند سطریں پڑھ لیجیے، "جواب شکوہ" آگے ملے گا۔

"انجیل مقدس میں لکھا ہے کہ "خدا نے آدمی کو اپنی مثل بنایا، اور اس میں رُوح پھونک دی[لے]، مگر اس اشرف المخلوقات کی شکل و صورت تو دیکھنا، یہ کتے سے زیادہ شہوت پرست، لومڑی سے زیادہ مکّار، شیر سے زیادہ خونخوار، ہاتھی سے زیادہ پیٹو، گدھے سے زیادہ خردماغ، خچر سے زیادہ ضدّی، سانپ سے زیادہ زہریلا، اونٹ سے زیادہ کینہ پرور، مگرمچھ سے زیادہ نسل کُش، بلّی سے زیادہ چور، بکری سے زیادہ بزدل

[لے] قرآن شریف میں بھی انسان کی سعادت اور شقاوت کی داستان مختصر اور معنی خیز انداز میں یوں بیان کی گئی ہے "ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا اور پھر اس کو انتہائی پستیوں میں ڈھکیل دیا"

مُرغ سے زیادہ اکڑنے والا، کبوتر سے زیادہ خود فریب، اور بچھو سے زیادہ نیش زن ہے، ان جانوروں میں یہ بُرائیاں انفرادی ہیں، جو ایک میں ہے دوسرے میں نہیں، مگر یہ اشرف المخلوقات، خدا کا بیٹا ان سب برائیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، اور نسلاً بعد نسلٍ اپنی اولاد کو ورثے میں دے جاتا ہے۔

خداوند کریم نے دوسرے جانداروں کے لئے نہ کوئی رسول بھیجا اور نہ کوئی پیغامبر، اُن کے گناہوں کے کفارے کے لئے نہ کوئی مصلوب ہوا نہ کوئی شفاعتی آیا، مگر اس لاڈلے کے لئے خدا نے نہ جانے کتنے پیغمبر بھیجے، یہاں تک کہ خود بھی اس نے انسانی جامے میں آنے کی زحمت گوارا کی اور اپنے "اکلوتے بیٹے" کو بھی دار پر کھنچوا دیا،

اس اشرف المخلوقات نے دنیا کی ہر بُرائی کو فروغ دیا، زمین و آسمان کو زیر و زبر اور سمندروں کو متھ کر رکھ دیا، اس کے ہاتھوں چرند پرند، اشجار حیوان حتیٰ کہ کُل ارض و سما گریاں اور نالاں ہے، خود زمانہ بھی اس کے ہاتھوں تنگ ہے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مُرغ قبلہ نما آشیانے میں

کوئی دوسرا جاندار جھوٹ سے نہ پہلے آشنا تھا نہ اب ہے، یہ انسانی ایجاد ہے اور اب یہ نت نئی ایجادوں سے کرۂ ہوائی کو زہر آلود کر رہا ہے

اگر انسان اشرف المخلوقات یہی ہے تو خدارا بتاؤ کہ ارذل المخلوقات
تم کس کو کہو گے ؟"

دتّ صاحب قاصرؔ تخلص کرتے ہیں، لیکن یہ انکسار ہے، شعر کہنے سے اور اچھے شعر کہنے سے قاصر نہیں، اسی کی شہادت میں ایک نظم کے یہ چند شعر پڑھ لیجئے، جس میں انھوں نے مولانا آزاد کی خدمت میں اپنی عقیدت کی بھینٹ پیش کی ہے، مولانا کی ذات سے جو انھیں لگاؤ ہے اس کا اندازہ چند تمہیدی جملوں سے ہوتا ہے،

"برخوردار!

مولانا کی عظمت و بلندی کا اعتراف تمہارا باپ بھی نہ کر سکا، یہ حق صرف وہی ادا کر سکتا ہے جو مولانا کا ہم پلہ ہو یا اُن سے بلند، اور تم دنیا بھر میں نگاہ ڈال دیکھو تم کو اُن جیسا تو کیا اُن کے عکس جیسا بھی کوئی اور نہ ملے گا، دستور کی بات ہے کہ مُبلّغ کردار میں اپنے وعظ اور مصنّف عمل میں اپنے تخیل سے بلند نہیں جا سکتا، مگر مولانا نے جو لکھا اس سے کہیں زیادہ کہا اور جو کہا اُس سے کہیں زیادہ کیا، یہ بڑے معرکہ کی بات ہے اس کو نہ بھولنا، ہم عصر شخصیت کو دیکھتے ہیں خوبیوں کو نہیں اور آئندہ نسلیں خوبیوں کی جستجو میں شخصیت کو نظر انداز کر دیتی ہیں، مولانا کی شخصیت بھی اتنی ہی بلند تھی، جتنی اُن کی خوبیاں، زندوں میں یا آنے والوں میں بھلا اُن کا حق کون ادا کرے گا؟ میں نے اُس یوسف جمال کو

اپنے استاد حکیم فیروز الدین طغرائیؒ (جو وکیل میں کاتب و مترجم تھے) کے قدموں کی بدولت قریب سے دیکھا اور پھر بعد میں ان کو السلال والبلاغ میں، ترجمان القرآن میں، تذکرہ میں، سرمد کی کہانی میں، خطابت میں دور سے دیکھا، مگر بحرِ بیکراں کا کتنا کچھ دیکھا جا سکتا ہے، تم ہی اندازہ لگالو! میں نے اُن کی رحلت سے متاثر ہو کر ایک نظم لکھی تھی، جو درج ذیل ہے:۔

اک جہانِ علم و فضل اک کائناتِ عقل و ہوش
عرشِ اعلیٰ سے زمیں کے نام پیغامِ سروش
وارثِ عہدِ قدیم و خالقِ عصرِ جدید
مصدرِ فکرِ سلیم و مخزنِ خلقِ حمید
زندگی افزا، حیات افروز اُس کا ہر سخن
بہرِ تخلیقِ مقاصد، عزم اس کا حرفِ "کن"
اُس کے ہر ہر لفظ میں صد رمزِ علم و آگہی
اُس کی درویشی کے در پر سرنگوں شاہنشہی
شرع و ملت کا امیں، فقہ و سیاست کا امام
وہ فصاحت کا، بلاغت کا، صحافت کا امام
جس نے دیکھا اور سمجھا طرز و طورِ ابوالکلام
اُس پہ ثابت ہے کہ ہے یہ دور، دورِ ابوالکلام
قرنہا باید کہ تا یک مردِ حق گردد عیاں
عبدہٗ در ملکِ مصر، آزاد در ہندوستاں

دیکھا تم نے، آخر میں نے کتنا زور مارا، مگر کیا یہ مولانا کی اصل تصویر ہے؟
بیٹا، نہیں بالکل نہیں یہ تو میری ناکامی کی تصویر ہے فی ٹن نے بھی تو سورج کے رتھ کو ہانکنے کی جسارت اور حماقت کی تھی، مجھے بھی اس زمرے میں شمار کر لو"
دت صاحب کی زندگی کے شعوری فلسفے اور بنیادی تصور اخلاق کا واضح ترین سراغ شاید اس خط میں ملتا ہے جو انھوں نے رائے بہادر پرکاش چند کے نام لکھا ہے اور جس کا عنوان جامی کا یہ شعر ہے۔

بے عشق نشاں نیک و بد نیست
چیزے کہ ز عشق نیست خود نیست

انھیں بزم حیات میں ایک ہی حقیقت دکھائی دیتی ہے، باقی سب پرچھائیاں ہیں اور وہ حقیقت ہے "محبت"، یہ کوئی نیا انوکھا خیال نہیں، ہر صاحبِ قلب و نظر نے یہ بات اپنے انداز میں کہی ہے، دت صاحب نے اس کو آسمانی صحیفوں میں بھی پایا ہے اور انسانی ادب کے خزانوں میں بھی،

"ابتدائے آفرینش میں رگ وید کے مطابق بزم جہاں کی آرایش کا پہلا شاہ کار "پیار" ہی تھا، زندگی کا پہلا تخم، اور زندگی کے اولین تخم کی پہلی کونپل، ژند اوستا میں پیار کو "دختر یزداں" اور "خالق محاسن" بتایا گیا ہے، انجیل میں یسوع مسیح کو اُس کا آسمانی باپ "میرا پیارا بیٹا" کہہ کر پکارتا ہے، سلیمان اپنے لافانی گیتوں میں خدا کے حضور اپنا "پیار" ہی نذر کرتا ہے اور کہتا ہے:۔

---

phathon a

"تمہارا پیار شراب سے کہیں زیادہ سرور انگیز ہے اور میں تمھیں روح کی گہرائیوں سے پیار کرتا ہوں" اور قرآن مجید میں "الرحمٰن اور الرحیم" اسی تصوّر کی تائید و تفصیل کرتے ہیں" اور یہ "پیار" محض خدا اور انسان کے تعلق کی تفسیر ہی نہیں بلکہ انسانوں کے باہمی رشتہ کی سچی تعبیر بھی ہے، چنانچہ اس خط میں اُنھوں نے کیوپڈ اور سائیکی کی امر داستانِ محبت کو بڑی دل نشین زبان میں پیش کیا ہے اور اس ضمن میں سینٹ پال کا یہ مقولہ نقل کیا ہے :- "اگر میں فرشتوں کا ہم نوا بن جاؤں اور جذبہ محبت سے عاری رہوں تو میری آواز کی قدر مقوقے چنے کی کھنک جتنی بھی نہیں رہے گی، پیار اذیتیں جھیلتا ہے مگر پھر بھی شفیق ہے، کبر و نخوت سے مبرا ہے، بدی سے بیزار ہے، ناترسی سے ناآشنا ہے، سچائی کا ہم دم اور ہمنا ہے، ایمان کا جویاں ہے، حوصلہ مند اور دل سوز ہے، اور کبھی دغا نہیں دیتا" اور آخر میں خود اس دل نواز حقیقت کو اپنے الفاظ میں یوں پیش کرتے ہیں :- "انسان زندگی کے ہر قدم پر پیدائش سے لے کر موت تک بلکہ اس کے بعد بھی ہم کو پیار کی دلداریوں اور دل سوزیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، ماں باپ، بہن بھائی، بیوی اور بچّوں کے تعلقات، دوستوں کے مراسم، قوم اور وطن، جنگ اور صلح، مرض و صحت، حتےٰ کہ ہر اُس کام میں جہاں ایک ذی رُوح کو دوسرے ذی رُوح سے واسطہ پڑتا ہے، انسان پیار کے رشتے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ

"پیار" ہی تو ہے جو انسان کو حق و صداقت کی طرف لے جاتا ہے، اپنا نقصان کر کے دوسروں کی بھلائی کا تلاشی ہے، اپنی جان دے کر دوسروں کی راحت کے سامان پیدا کرتا ہے اگر "پیار" نہ ہو تو تحقیق و جستجو کے دروازے بند ہو جائیں اور انسان اور درندے ایک ہی صف میں کھڑے دکھائی دیں، محبت کی داستان بڑی مختصر ہے، "چٹکی جو کلی کوئل کوکی، الفت کی کہانی ختم ہوئی"، اور اتنی طویل کہ رہتی دنیا تک ختم نہ ہو"

شرفِ انسانی کا جو سوال گذشتہ خط میں اُٹھایا گیا ہے گویا اس کا جواب یہاں ملتا ہے، یعنی انسان اشرف المخلوقات بھی بن سکتا ہے اور ارذل المخلوقات بھی، بس ان دونوں کے بیچ "محبت" کا پل صراط ہے اس طرف گرے تو جنت ہے، اُس طرف گرے تو دوزخ"

مبارک ہیں وہ لوگ جن کے حریمِ قلب میں دت صاحب کی طرح محبت کا چراغ روشن ہے۔ اس نامبارک دور میں ان چراغوں کی تعداد اتنی کم ہو گئی ہے کہ اکبر کا یہ شعر یاد آتا ہے

حریفوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں!

جانتا ہوں کہ چودھری صاحب نے یہاں خدا کا نہیں محبت کا نام لیا ہے لیکن بقول گاندھی جی ان دونوں ناموں میں کوئی خاص فرق بھی تو نہیں!

حضرت علّامہ نیاز فتح پوری کے نام

(۱)

امرتسر

۱۰ جنوری ۱۹۶۰ء

مخدومی۔

ذریعہ رجسٹری بیاض بھیجی جا رہی ہے، اگر کوئی شعر قابلِ گرفت ہو تو حذف کر دیجئے، تعارف حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب غزنوی نے لکھا ہے اور پیش لفظ حضرت مولانا اجمل خاں صاحب نے،

میں ۱۳ جولائی ۱۸۹۰ء کو صبح پانچ بجے، ویرم دتاں (پاکستان) میں ایک کھاتے پیتے علم دوست گھرانے میں پیدا ہوا، بزرگوں کی خاندانی ثروت تین پشتوں کی لکھ لٹ کے باوجود اُس وقت تک ختم نہ ہوئی تھی، دسویں جماعت پاس کرنے کے بعد، پولیس میں بھرتی ہو گیا، مگر بلایا گیا تو حاضر نہ ہوا، گھر سے جواب مل گیا۔ دہلی میں قلیل تنخواہ پر ایک درآمد برآمد کے ادارے میں ملازم ہو گیا، ۱۹۱۲ء میں تبدیل ہو کر امرتسر آ گیا، تب سے یہیں ہوں،

آٹھویں جماعت میں تھا کہ شعر کہنے شروع کر دیئے مگر ۱۹۱۲ء میں حکیم الشعرا

حکیم فیروز الدین احمد طغرائیؒ کا شاگرد ہو گیا اور اُن سے باقاعدہ درس لیتا رہا کلام۔ غالب، زمیندار، ہندوستان، بندے ماترم اور دوسرے اخباروں میں شائع ہوتا رہا، انجمن ترقی اُردو کی مقامی برانچ کا نائب صدر بھی رہ چکا ہوں، اُردو فارسی کے علاوہ، مغربی ادیبوں کے کلام سے بھی روشناس ہوں، مذہب اور فلسفہ کی کتابوں سے بھی دل چسپی ہے، فسادات میں میرا باپ پاکستان میں اس لئے مارا گیا کہ وہ ہندو تھا، اور امرت سر میں میرا گھر اس لئے لوٹا اور جلایا گیا کہ میں "مسلم نواز" ہوں، کتب خانہ، کلام اور بیاض جل گئی، اب جو کچھ ادھر اُدھر سے اکٹھا ہو سکا، اس مجموعہ کی شکل میں حاضر ہے،

دنیا بھر کی منڈیوں میں میری اچھی ساکھ ہے، نام ور اور مشہور کارخانوں کی نمائندگی کر چکا ہوں، اب درآمد کی پابندیوں کی وجہ سے بے کار ہوں، مگر پھر بھی گزر ہو رہی ہے۔ احباب کی ذرّہ نوازی سمجھوں یا قدردانی، اُستاد مرحوم کے جانشین علامہ محمد حسین صاحب عرشی میرے متعلق میرے لڑکے کو اس کی شادی کی تقریب پر لکھتے ہیں:۔

آں برہم نا تھ دیوتا سیرت — سینہ بے کینہ، بے ریا سیرت
جوہر آدمے درو دیدم — شرفِ علمے درو دیدم
علما دیدم اولیا دیدم — بشرے مثلِ او کجا دیدم

میری تین اولادیں ہیں، دو لڑکیاں اور ایک لڑکا، تینوں اپنی اپنی جگہ خوش حال اور آسودہ ہیں

اعتقاد میں کوئی الجھن نہیں، خدا ہے مگر اُس تک ہماری رسائی کہاں! وہ
تو صرف پیغمبروں اور اوتاروں کے کام کی چیز ہے، کیونکہ وہی اُس تک رسائی
کے دعوی دار ہیں، اس لئے ہم بے چاروں کے لئے قابلِ احترام، صرف
وہی رہ جاتے ہیں، جنھوں نے تحقیق حق اور نیکی کی راہ میں بند بند کٹوائے،
زہر کے پیالے پئے، سولی پر چڑھے، دار ورسن کے بوسے دئے، جلتی آگ
میں کودے، گولی کا نشانہ بنے، اذیتیں اور تکلیفیں اُٹھائیں، اور اپنے ہی
خون سے ہولی کھیلی، میں انھیں کا معتقد اور پیرو ہوں
میں جنگ آزادی کے زمانہ میں جیل بھی جا چکا ہوں، انڈر آرڈی ننس[ل]
بھی رہا ہوں، اور سرکوبی کا بھی لطف اُٹھا چکا ہوں —— میری انگلیاں
اور بازو ٹوٹا ہوا ہے اور سر پھوٹا ہوا، دائم المرض ہوں، ذیابیطس کا شکار ہوں،
سکندر اعظم کا ہمسر ہوں کہ داڑھی مونچھ منڈواتا ہوں، اور بہشت کا دعوے دار
کیونکہ بہرا ہوں، اور سب سے بڑھ کر، فخر کی بات یہ ہے، میرے مخدوم، کہ میں
ہوں آپ کا خادم

پریم ناتھ دت

ل UNDER ORDINANCE

(۲)

امرت سر
۱۰ اگست ۱۹۶۰ء

مخدومی،

"نگار"، جولائی ۱۹۶۰ء پیش نظر ہے، سرورق پر "خاص نمبر" لکھا ہے، سوچتا ہوں کہ اس میں کیا خصوصیت ہے جو اس کے عام نمبروں میں نہیں ہوتی، میں "نگار" کو اس زمانے سے دیکھ رہا ہوں، جب بھوپال سے اُس کا آغاز ہوا، میں نے اس کے ہر نمبر کو "خاص نمبر" ہی پایا، ہند و پاک کا کوئی دوسرا رسالہ ان خصوصیات کا حامل نہیں ہے، جو روزِ اول سے اس کا حصّہ ہیں، آپ کے ہر مضمون میں آپ کی دلچسپ انفرادیت و افادیت موجود ہوتی ہے

"ملاحظات" کو دیکھتا ہوں تو دیکھتا ہی چلا جاتا ہوں، "کرشمہ دامن دل می کشد" کہئے یا "پائم بہ پیش از سرِ ایں کوئے رود" کی کیفیت سمجھئے، یا "میں جسے چھوتا گیا وہ بیکراں ہوتا گیا" کی بات کہئے، خصوصاً یہ سطور:-

> "۱۳ مئی کو کراچی پہنچا، تو یوں سمجھئے، دیارِ محبت میں پہنچ گیا، اپنے فرزندوں، اپنے جگر پاروں، اپنے ہم وطنوں، اپنے بچھڑے ہوئے دوستوں کی آغوش میں پہنچ گیا"

پھر اسی جذبۂ خلوص و محبت کے تحت پاکستان کو جو قیمتی مشورے دئے ہیں، وہ اگر انھیں سمجھ لے تو اکسیر بن جائے، اور تمام نزع از خود ختم ہو جائے

اگلا مضمون "تاریخ تمدن اسلامی" مصنّفہ اس کا جرجی زیدان اور مترجم خود آپ، تاریخی تفصیلات کو چند صفحوں میں اس طرح سمیٹ لیا ہے کہ شاید و باید اور اس خشک مضمون کو اتنی شگفتگی دے دی ہے کہ بیان سے باہر، مالک رام صاحب کا "گل رعنا" مشتاقانِ غالب کے لئے قیمتی دستاویز ہے، "حدیث نبوی اور مولانا عبدالسلام ندوی" جو کبیر احمد جائسی نے لکھا ہوا ہے اور اس قبیل کے دوسرے مضامین کو صرف "نگار" کا قوی معدہ ہضم کر سکتا تھا، بہرکیف محققین کے کام کی چیز ہے، دیکھئے کیا طوفان اُٹھتا ہے؟ "جدید ایرانی شعرا میں اشتراکیت" ڈاکٹر محمد عبدالحمید فاروقی کا مضمون، وسیع مطالعہ اور تحقیق کا نچوڑ ہے اور قابلِ داد، "حیوانات کی ذہانت"، مختصر، دلچسپ اور معلومات افزا ہے، "غالب، ذوق اور ناسخ" مختصر تحقیقی مقالہ ہے، اور بہتوں کے لئے حیرت انگیز اور چونکا دینے والا بھی، آخر میں "انٹرویو" نوشتہ شبلی افغانی کے متعلق عرض کرتا ہوں، کہ ہے تو یہ مضمون مزاحیہ لیکن اس کی "مزاحیت" بھی عام مزاحیہ نگاروں سے الگ ہے، بڑے مزے کی چیز ہے،

"نگار" کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ آپ آج سے چالیس برس پیشتر جس عمر میں تھے، ابھی اُس سے آگے نہیں بڑھے، وہی رعنائی، وہی شوخی، وہی قدرت تحریر وہی ترجمانی شباب، وہی "بائرنیت" وہی ادبی و انتقادی عبقریت، جو پہلے تھی سو اب بھی ہے، تم سلامت رہو، ہزار برس

خادم

برہم ناتھ دت

حضرت مولانا محمد اجمل خاں کے نام

(۱)

امرت سر۔ ۲۳ر اکتوبر ۵۹ء

مخدومی و مکرمی۔ تسلیم و تکریم

وشوا ناتھ کی وساطت سے جو فرنگیانہ انداز میں اپنے آپ کو وی۔ ان وتا لکھتا ہے اور جس کو آپ اسی نام سے جانتے ہیں "برگ و بار" کے لئے آپ کا "پیش لفظ" موصول ہو کر، باعث شکر گذاری و منت پزیری ہوا

ہر چند بڈھا اور بہرا ہونے کی وجہ سے "دو نے التفات" کا مستحق ہوں مگر مصیبت یہ ہے کہ "مکرر کہنے" پر بھی کچھ نہیں سنتا، اسی لئے حاضری کی جرأت نہ کر سکا اور جذبات تشکر لئے امرت سر لوٹ آیا۔ خدا کرے یہ معذرت در خورِ قبول ہو

نیاز مند

برہم ناتھ دتا

علّامہ محمد حسین صاحب عرشی کے نام

(۱)

امرت سر
۱۳ اگست ۱۹۴۶ء

پیارے بھائی،

منظوم خط مل گیا تھا، واہ، کیا کیا شعر کہے ہیں ؎

وہاں حسن و شباب غیر فانی ہے جہاں میں ہوں
بہارِ بوستانِ جاودانی ہے جہاں میں ہوں

بہار افزا خیاباں ہی خیاباں ہیں جدھر دیکھیں
نشاط آور جوانی ہی جوانی ہے، جہاں میں ہوں

اشاروں میں بھرے ہیں زمزمے عشق و محبّت کے
نگاہوں میں شرابِ ارغوانی ہے جہاں میں ہوں

ثبوت، اے دل ربا دوشیزۂ کشمیر رعنائی
ترا وہ گوشہ اک فردوس ثانی ہے جہاں میں ہوں

یہ ابرِ کوہساراں، یہ خضر کا سبز پیراہن
فضا میں موجِ کوثر کی روانی ہے جہاں میں ہوں

سرودِ ابرِ باراں دیو داروں کی قطاروں پر
فلک پر زہرہ محوِ نغمہ خوانی ہے جہاں میں ہوں
ضیا افگن شعاعِ مہرِ تاباں کشت زاروں میں
نقاب افگندہ صبحِ زندگانی ہے جہاں میں ہوں

ستمبر آ رہا ہے حسبِ وعدہ تم بھی آ جاؤ
نگاہوں میں اتر آؤ، دل و جاں میں سما جاؤ

مری خلد زمیں، خلد بریں بن جائے گی تم سے
ہوائے کوہ فردوس آفریں بن جائے گی تم سے

جواب میں عقیدت اور نیازمندی سے عرض کرتا ہوں:—

زمیں تا آسماں جوشِ مسرت ہے جہاں تم ہو
جہاں اندر جہاں تسکین و راحت ہے جہاں تم ہو
تمہاری کفشِ پا کی خاک سرمہ چشمِ عرفاں کا
نظر کا نور واں فرشِ عقیدت ہے جہاں تم ہو

جہاں ہم ہیں وہاں ذوقِ تمنا شوزِ مشتاقی
خنک نازِ تجلّا و صباحت ہے جہاں تم ہو

وہ دنیا ہے، جہانِ کذب و باطل سے الگ دنیا
محبت ہے، صداقت ہے حقیقت ہے جہاں تم ہو

وہاں کے لوگ ناواقف ہیں یاس و نامرادی سے
تمنّاؤں کی ارمانوں کی جنّت ہے جہاں تم ہو

جہانِ مہر و مہ میں جب کہ گنجائش ہے ذرّوں کی
مرے ہونے میں آخر کیا قباحت ہے جہاں تم ہو

نہیں ہو تم جہاں، ادبار و ذلّت کی گھٹائیں ہیں
وہاں ابرِ کرم، بارانِ رحمت ہے، جہاں تم ہو

ہمارے فاصلے صدیوں میں طے ہونے نہیں پاتے
برفتارِ نظر، قطعِ مسافت ہے، جہاں تم ہو

تمہاری آرزو ہے اور کچھ بھی ہم نہیں رکھتے
ہماری بھی وہاں کوئی ضرورت ہے، جہاں تم ہو

یہ خارِ خشک بھی پروردۂ آغوشِ گلشن ہیں
یہ مانا واں گلِ تر کی نزاکت ہے جہاں تم ہو

غبارِ کارواں ہیں مہر و ماہ و انجمِ تاباں
نثارِ راہ، نقدِ جاہ و حشمت ہے جہاں تم ہو

کوئی سودا نہیں غیر از وفا بازارِ الفت میں
وہاں اس جنس کی کچھ قدر و قیمت ہے جہاں تم ہو؟

میں نے وشوا کو لکھ دیا ہے کہ آپ کو چند دن کے لئے سناسر لے جائے ، یہ دیکھنے کی جگہ ہے ، مگر مشکل یہ ہے کہ

"یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں"

آپ نے سب کچھ بھوت کو دیدیا ، سناسر کو کیا ملے گا ؟

آپ کا بھائی

برہم ناتھ دت

(۳)

امرتسر

جنوری ۱۹۵۶ء

برادر عزیز ۔

آپ کا یہ شعر بہت پسند آیا

بزم ہستی را بنا بر ، باد گردند استوار

خیزد از تار نفس صد نغمۂ سازِ حیات

اس کی تفسیر میری زبانی سُن لیجئے ، حواس خمسہ میں ٹھن گئی ، نطق نے کہا ، ان میں میں بڑا ہوں ، آنکھ نے کہا ، میں صاحبِ بصارت ہوں ، کان نے کہا میں صاحبِ سماع ہوں ، شعور (ادراک) نے کہا میں صاحبِ ہوش ہوں ،

نطفہ نے کہا، میں صاحبِ تخلیق ہوں، سانس نے کہا، میں سب سے انوکھا اور اہم ہوں

بات بڑھ گئی اور جھگڑا رب الارباب کے حضور میں فیصلے کے لئے پیش ہوا، ان سب کے دلائل سننے کے بعد فیصلہ یہ ہوا کہ ہر دعویٰ دار ایک ایک کر کے قالبِ انسانی سے جدا ہو جائے اور جس کے نکلنے سے زیست کا ڈھانچ ڈھیلا پڑ جائے، وہی سب سے بڑا ہے

نطق نے پہل کی، اور قالب سے نکل کر، ایک سال برابر گھومتا رہا، جب واپس آیا تو زندگی کی روش کو بدستور اپنے حال پر پایا، حیران ہو کر پوچھا "میرے بغیر کیوں کر کام چلا" سب نے جواب دیا، "اسی طرح جیسے گونگا بولتا نہیں، مگر نتھنوں سے سانس لیتا ہے، آنکھوں سے دیکھتا ہے، کانوں سے سُنتا ہے، شعور سے سمجھتا ہے، اور نطفے سے تخلیق کرتا ہے"۔ نطق یہ سن کر لاجواب ہو گیا، اور چپکے سے پھر قالب میں داخل ہو گیا

اس کے بعد بصارت رخصت ہوئی، اور پورا ایک سال غربت میں گزارا واپس آنے پر اُس نے بھی زندگی کی روش کو معمول پر پایا، پوچھا "میرے بغیر کس حال میں رہے"؟ سب نے جواب دیا "ایسے ہی جیسے اندھا دیکھتا نہیں، مگر نتھنوں سے سانس لیتا ہے، نطق سے بولتا ہے، کانوں سے سُنتا ہے، شعور سے سمجھتا ہے اور نطفے سے تخلیق کرتا ہے" یہ سُن کر بصارت قالب میں لوٹ آئی۔

اس کے بعد قوتِ سامعہ رخصت ہوئی اور میعادِ مقررہ کے بعد واپس لوٹی

تو اُس نے بھی حالات کو معمول پر پایا، پوچھا "میری غیر حاضری کا تم پر کیا اثر ہوا؟" اُنھوں نے کہا "ایسا ہی جیسا بہرہ کاروبار کرتا ہے، صرف سنتا نہیں مگر نتھنوں سے سانس لیتا ہے، آنکھوں سے دیکھتا ہے، نطق سے بولتا ہے، شعور سے سمجھتا ہے اور نطفے سے تخلیق کرتا ہے" یہ سُن کر قوت سامعہ پھر قالب میں داخل ہو گئی

اب شعور کی باری آئی، وہ جب ایک سال کے بعد واپس آیا، تو اس نے پوچھا، "میرے بغیر کیسے کام چلا" جواب ملا، "بچوں کی طرح، جیسے بچّے بغیر شعور کے رہتے ہیں، مگر نتھنوں سے سانس لیتے ہیں، نطق سے بولتے ہیں، آنکھوں سے دیکھتے ہیں، کانوں سے سُنتے ہیں، نطفے کی پرورش کرتے ہیں" شعور بھی یہ سُن کر قالب میں واپس آ گیا۔

پھر نطفہ ایک سال کے لئے قالب سے باہر رہا، اور واپسی پر آکر پوچھا کہ "میرے بغیر کیسی کٹی" جواب دیا "مخنث کی طرح، مخنّث کے بچّہ نہیں ہوتا، مگر نتھنوں سے سانس لیتا ہے نطق سے بولتا ہے، آنکھوں سے دیکھتا ہے، کانوں سے سنتا ہے، شعور سے سمجھتا ہے" نطفہ یہ سُن کر قالب میں واپس آ گیا۔

اب سانس نے بھی امتحاناً نکلنا چاہا، جس طرح مُنہ زور گھوڑے کے اُچھلنے سے اُس کے اگاڑی پچھاڑی کے بند ٹوٹ جاتے ہیں، تمام کے تمام حواس خمسہ دل توڑ بیٹھے اور ہیجان برپا ہو گیا، سب نے یک آواز کہا، "خداوند! ٹھہرو، کہاں جاتے ہو، تم تو ہماری جان ہو"

بھائی آپ کا یہ شعر ؎

بزم ہستی را بنا بر، باد کردند استوار
خیز دا ز تارِ نفس صد نغمۂ سازِ حیات

یہی تو کہتا ہے، مگر یہ تفسیر میری من گھڑت کہانی نہیں، بلکہ ہزاروں سال پہلے کی ہے، جو آپ نشدوں میں پیش گوئی کے طور پر آپ کے اس شعر کے متعلق کہی گئی تھی، یقیناً آپ ولی ہیں، اور اگر ولائیت کے دعوی دار بن جائیں تو سب سے پہلے میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا، مگر تم میں یہ جرأت کہاں؟

مخلص

برہم ناتھ دت

(۳)

امرت سر

۲۵ جنوری ۱۹۵۸ء

بھائی جان!

گرامی نامہ را چوں برکشادم گہے بر دیدہ، گہ بر سر نہادم

مکتوب محبت اسلوب میرے دل کا درماں لایا، انداز بیان میں خوبی ہے، جدّت ہے، تاثیر ہے، مٹھاس ہے "اے وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی" یہ

خط ابو الکلام کو لکھا ہوتا، اس کا مکتوب الیہ نیاز فتح پوری ہوتا کہ کسی گراں قدر رسالے کو زینت بخشتا، یہاں "کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو" کا معاملہ ہے، آپ لوگوں سے دور ہوں اور وطن میں اجنبی کی سی زندگی بسر کر رہا ہوں، نہ میں کسی کو جانتا ہوں، نہ کوئی اور مجھے پہچانتا ہے، گم نام ہوں اور گمنامی بہ قانع!

"سو گیا جاگنے والا شبِ تنہائی کا"

شکلاؔ[1] بیس دن سے میرے پاس ہے، آج جا رہی ہے، گرامی نامہ پڑھ کر بہت خوش ہوئی، سلام عرض کرتی ہے، وقتواؔ[2] کے ساتھ تعلقات خوش گوار ہیں نئے سال کی تقریب میں اُن کا بھیجا ہوا کارڈ آپ کے ملاحظہ کے لئے ملفوف ہے،

چاہتا ہے کہ میں پانچ کروڑ دن اور جیوں، یعنی وہی غالب کا شعر ہے

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

کتنی زیادتی اور زبردستی ہے،

دہلی میں آپ کے ساتھ ہی جاؤں گا کچھ دن وہاں ٹھہروں گا، عقیدت اور نیازمندی کے ساتھ غالب کے مزار کی زیارت کروں گا اور آپ کی زبان سے اُس کی غزل

"ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں میں دشتِ غم میں آہوئے صیاد دیدہ ہوں"

سنوں گا،

---

[1] چھوٹی لڑکی [2] لڑکا

کاروبار کی کساد بازاری ہے، میرے پاس جو جنس ہے اُس کا کوئی گاہک نہیں، نقلی رفل کی مانگ ہے اور جب اصل و نقل ایک سے نظر آئیں تو اصل کو کون خریدے؟ مگر

"مشتری گو ردکن و دلال گو یا درفگن
جنس گر خوب است خواہد کرد قیمتے"

پر عمل کرتا ہوا، مال کو روک رکھا ہے، شاید کوئی صورت نکل آئے،

آپ کا دوست سرگ باش ضرور ہے، کیوں کہ اس کو یہ سب نعمتیں حاصل ہیں مگر آج بھی وہ ہماری آپ کی طرح اس ہری بھری دنیا میں مقیم اور جلوہ گر ہے، کل کی رام جانیں، راہ داری کے متعلق آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی، دیدراج بواترہ میرا عزیز ہے، وہ اسی کام پر مامور ہے، آپ کی جائز مدد کرے گا اس کی طرف رجوع فرمائیں، بٹلا صاحب کو سلام

نیاز کیش

برہم ناتھ دت

(۴)

امرت سر

یکم ستمبر ۱۹۵۸ء

مشفق و شفیق،

گرامی نامہ پرسوں مل گیا تھا، آج جواب دے رہا ہوں، زکام نے

بے کار کر رکھا ہے کسی بات میں دل نہیں لگتا، خط لکھ رہا ہوں کہ آپ جواب کے منتظر ہوں گے، غیر جواب طلب امور چھوڑ دئے ہیں، باقی کے متعلق عرض کرتا ہوں

چندی گڑھ ساکت ہے، انتظار میں ہوں کہ خلاصی ہو، ٹیلی فون کے سرہانے بندھا بیٹھا ہوں ______ صاحب کو بھی خط لکھ دیا ہے، مضمون یہ ہے۔

"آپ کی کرم فرمائیوں نے مجھے بے باک بنا دیا، ایک اور گزارش لے کر حاضر ہوتا ہوں، میرے ایک شاعر دوست ہیں، علامہ محمد حسین صاحب عرشی، بھائی سے بھی زیادہ پیارے، تقسیم سے پہلے ہم اکثر سنا سر (جو بٹوت اور کدّ کے درمیان ایک صحت افزا مقام ہے) اکٹھے جایا کرتے تھے، وہ یہاں آئے ہوئے ہیں، ہم دونوں بوڑھے، پاؤں قبر میں لٹکائے بیٹھے ہیں، ہماری یہ آخری خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے ہم ایک بار پھر اُس فضا میں سانس لے سکیں، سرگوشیاں کر سکیں، نغمے گا سکیں، اس کے متعلق ...... صاحب کو ایک عریضہ لکھا تھا، جواب ملفوف ہے، دماغ میں آپ سے بڑا کون ہو گا؟ کس کو لکھوں، آپ کے بغیر میری سنے گا بھی کون؟ امید ہے آپ غور فرمائیں گے، میرے دوست کو سیاست سے کوئی واسطہ نہیں، صرف شعر کہتا ہے اور نماز پڑھتا ہے، یہ کام آپ کے اپنے ہاتھ کا ہے اس لئے مشکل کیوں سمجھوں"

دیکھئے کیا جواب دیتے ہیں،

اخلاق کا تقاضا ہے کہ وشوا، ڈاکٹر غلام حسین صاحب کو شکریہ کا خط لکھے، آپ اپنے سامنے یہ خط لکھوا دیں، ولائیت کی تعلیم اس تہذیب سے نا آشنا ہو تو پینہ کھینچنے کی ضرورت نہیں، وہ بُرا نہیں گے

میرا خط تو وشوا کے لئے دل چسپی کا باعث ہو نہیں سکتا، اُس میں ہے کیا؟ لیکن میری بارہا استدعا کے باوجود ایلوسا (ELOSIA) کا خط، جو میری نگاہ میں دنیا کے منتخب خطوط میں سب سے زیادہ حسین خط ہو، ابھی تک اُن کی نظر سے نہیں گزر سکا، وائے مصروفیت!

خطوط کی یہ کتاب امیر چند گپتا صاحب سے ضرور منگوا لیں، یا اُن کو کہدیں کہ آتی دفعہ لیتے آئیں، بڑے کام کی چیز ہے، ادب کا شاہ کار ہے، میں آپ کے پاس اس لئے نہ آسکا، کہ چندی گڑھ سے ابتک جواب نہیں آیا، والسلام

برہم ناتھ دت

(۵)

امرتسر
۱۵ ستمبر ۱۹۵۹ء

عزیز از جان عرشی

فونوگراف پر تار لکھوا رہا تھا کہ آپ کا گرامی نامہ ملا، تار منسوخ کرا دیا،

آپ کی خاموشی غیر متوقع تھی، اس لئے متردد تھا، بہرکیف خیریت کی خبر تسکین و راحت کا باعث ہوئی اور فکر رفع ہو گئی،

"پولین" کافی طویل ہو گیا ہے، چند دن ہوئے آپ کو اشاعت کے لئے بھیج دیا تھا، "تیمور" ابھی چھوڑ رکھا ہے، ان دنوں خطوط صاف کر رہا ہوں، آپ کو خطوط کے متعلق لکھا تھا کہ قابل اشاعت واپس کر دیں، مگر آپ نے توجہ نہیں فرمائی مکرر عرض کرتا ہوں،

بھائی[1] کے آنے کی تمہید کے متعلق گوتم بدھ کی کہانی یاد آگئی، سن لیجئے۔ گوتم، می گارا کی ماں وشاکھا کے دو منزلہ مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے، وشاکھا کی خوب صورت اور چہیتی پوتی مر گئی، وشاکھا بدیں وجہ گیلے سر اور گیلے کپڑوں میں بے وقت گوتم کی زیارت کو آئی اور باادب ایک کونے میں بیٹھ گئی، گوتم نے بے وقت آنے کا سبب پوچھا، وشاکھا نے اُن کو حقیقت سے آگاہ کر دیا اور رونے لگی، گوتم نے تسلی دیتے ہوئے اس سے کہا کہ "اگر تمہارے ہاں اس شہر کی آبادی جتنے پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں ہو جائیں تو پھر؟" وشاکھا کی باچھیں کھل گئیں اور کہا کہ "پھر مجھے اور کیا چاہیئے" گوتم نے پوچھا کہ "اس بستی میں روز مرنے والوں کی تعداد کتنی ہو گی؟" وشاکھا نے کہا "آٹھ دس تو روز مرتے ہی ہوں گے" گوتم نے کہا "کہ پھر تو تمھیں ہر روز ہی سوگوار رہنا پڑے گا؟" وشاکھا کی آنکھیں کھل گئیں اور کہا، "ناصاحب، میں ان پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں سے باز آئی"

گوتم نے کہا، "وشاکھا، جو سو چیزوں کا دلدادہ ہے وہ سو دکھ سمیٹے ہوئے ہے

---

[1] علامہ نے پوتی کی پیدائش کو پوتے کے آنے کی تمہید لکھا تھا،

اور جو ایک چیز کا رسیا ہے، اُس نے ایک روگ لگا رکھا ہے، جس کو کسی ایک چیز کی بھی طلب نہیں، وہ بالکل بے غم ہو، بھائی میں بھی "مختصر گیر" کا قایل ہوں، ایک پوتی کیا کم ہے؟

جگر مرادآبادی کے متعلق وشوا کا ایک مضمون "دیپکا" کے شمارے میں شائع ہوا ہے جس میں جگر کی شاعری اور شخصیت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، رسالہ آپ کو بھیجا جا رہا ہے، پڑھ کر واپس کر دیں، رازی صاحب کو بھی دکھا دیں شائد اُن کی دلچسپی کا باعث ہو

روئیداد[له] بڑی دلچسپ اور موثر ہے، ۳۳ صفحوں کی تحریر میں ایک جملہ بھی پھیکا نظر نہ آیا، اور انکسار تو آپ کا معمول بن چکا ہے، یہاں بھی موجود ہے، آپ نے بہت اچھا کیا کہ قبلہ حکیم صاحب کے اشعار کو محفوظ کر لیا، مقطع اُن کے حسب حال تھا،

بپذیر اعتذار ز طغرائی حزیں
دانی کہ او ز بند الم، ہاہیچ گہ نہ رُست

طبیعت بھر آئی، اس لئے ختم کرتا ہوں - عمرت دراز باد!

دعاگو

برہم ناتھ دت

له فیض الاسلام کے سالانہ جلسہ کی روداد

حضرت مولانا اسمٰعیل غزنوی کے نام

(۱)

امرت سر

۱۲ نومبر ۴۷ء۱۹

حضرت سلامت!

جنج گھر میں دولہا بنے بیٹھے، ہم غریبوں پر چھینٹے اڑا رہے ہو، انقلاب نے کہیں کا نہ چھوڑا آپ سب پاکستان بھاگ گئے، میں اکیلا بے یار و مددگار یہاں پڑا ہوں، بالکل اجنبی، پردیسی، گڑہ شیر سنگھ والا مکان جل گیا، کتب خانہ تباہ و برباد ہو گیا، کلام اور مسودے تلف ہو گئے، اب بازار بکر وانال، گلی کدا ماں نمبرا میں جناب لالہ چند صاحب مہرہ کے مکان میں رہتا ہوں، دفتر آتے جاتے آپ کے دولت کدہ (اور کیا کہوں؟) کے پاس سے حسرت زدہ گزر جاتا ہوں، کبھی کبھی دیوانہ وار اندر جا کر دیوان خانہ کے کھنڈر دیکھ لیتا ہوں، شرنارتھی جو آباد ہیں، دیوانہ سمجھ کر مجھے کچھ نہیں کہتے، خاموش رہ جاتے ہیں اور میرا منہ تکنے لگتے ہیں، کبھی کبھی مسکرا بھی دیتے ہیں، کتنی قابلِ رشک زندگی ہے!

وہ گھر جس میں آسائش کے سامان موجود تھے، ہر کہ و مہ کو "خوش آمدید" کہا جاتا تھا اور جہاں یہ کیفیت تھی

نیست در مجلس ما پیشگہ و صف نعال
شاہ و درویش ندانند کدام ست اینجا

اور جہاں علم و فضل کے دریا بہتے تھے آج ٹوٹا پھوٹا کھنڈر ہے، مصیبت زدہ شرنارتھیوں کی پناہ گاہ، انھیں کیا معلوم یہاں کون بستا تھا؟

انقلاب مانگتے تھے، سو مل گیا، لیکن کیا اسی انقلاب کے لئے قید و بند کی صعوبتیں سہی تھیں، لاٹھیاں کھائی تھیں، شب زفاف[1] کو کوتوالی کی کال کوٹھری میں کاٹی تھی، اور اپنے بیگانوں کے طعنے سہے تھے، اللہ اللہ!

آپ کے امانت دار کو آخر ڈھونڈ ہی لیا، آپ کا پیغام بھی پہونچا دیا، مگر وہ آپ کو پہچاننے سے رہے؟ کوئی خاطر خواہ جواب اُن سے بن نہ آیا، معذوریوں اور مجبوریوں کا رونا، شروع کر دیا، اُن کی میز پر انجیل مقدس پڑی تھی، متی باب پانچ، پہاڑ والا سرمن سنا کر لوٹ آیا، اُن سے کوئی اُمید نہ رکھیے، جہاں وطن چھوٹا، وہاں مال بھی گیا، صبر و شکر کر کے بیٹھ جائیے۔ والسلام

خادم

برہم ناتھ دت

---

[1] مولانا اسی رات گرفتار کئے گئے تھے

(۲)

امرت سر

۳ فروری ۱۹۵۹ء

حضرت مولانا!

جب دل ہی بجھ گیا تو شعر کہاں سے لاؤں، رونے دھونے کی بات کیجئے کہ موقع کی راگنی یہی ہے!

ابراہیم کو امریکہ نہ بھیجئے، اگر کیمبرج یا آکس فورڈ میں داخلہ مل سکے تو کیا کہنے! آپ انگریز کے خلاف رہے ہیں، معلوم نہیں انقلاب کے بعد آپ کی رائے اُن کے متعلق کیا ہے، یقین جانئے انگریز انفرادی طور پر راست باز، ایمان دار، سنجیدہ اور بہت سی خوبیوں کا مالک ہے، وہاں تعلیم حاصل کرنے سے وسعتِ نظر اور رواداری پیدا ہوگی اور شاید زرِ تبادلہ کی بھی دقت نہ ہو کہ سٹرلنگ ایریا میں ہے، ان یونیورسٹیوں میں تعلیم کا معیار بہت بلند ہے، گاندھی، جناح، اقبال، نہرو سب وہیں کی پیداوار ہیں، معلم بھی منتخب روزگار اور رہبر دال ہوتے ہیں، مولانا حسین صاحب بھی وہیں کے تعلیم یافتہ ہیں، اُن سے مشورہ کر لیجئے، داخلہ عام طور پر مشکل سے ہوتا ہے، مگر پاکستانی ہائی کمشنر شاید کچھ مدد کر سکے، ورنہ آپ سعودی ذرائع سے بھی کام لے سکتے ہیں،

عربی آپ کے گھر کی لونڈی ہے، اور اُردو ابراہیم کی مادری زبان ہے، ان دونوں زبانوں سے اُس کو کما حقہ واقفیت ہے، انگریزی کی طرف توجہ کی ضرورت ہے،

انگریزی میں جتنی اچھی کتابیں ہیں، کسی اور زبان میں نہیں؟ (انگریزی کی طرف توجہ کی ضرورت ہے) قدما کی باتیں بھی قابلِ قدر اور قابل تلقین ہیں مگر ۱۹۵۹ء کی دنیا میں جدید علوم کو بھی نظر انداز کرنا اچھا نہیں، ان سے استفادہ کرنا ازبس ضروری ہے، دلاور حسین صاحب آپ کے عزیز ہیں، ماہر تعلیم ہیں، اُن سے مشورہ ضروری ہے!

"دیدمت مردے دریں قحط الرجال"

"برگ و بار" کا "تعارف" مل گیا، محبت والفت، رافت و شفقت کے جو الفاظ آپ نے میرے لئے استعمال کئے ہیں، اُن کا ازبس شکر گزار ہوں، آپ نے اپنے زورِ قلم سے مجھے کیا سے کیا بنا دیا، اللہ اللہ اتنا خلوص! اتنی محبت! اتنی مہربانی!

آپ کا پیار میرے لئے بڑی نعمت ہے، اس کے ہوتے ہوئے، مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں، ہاں، اگر اس سے بہتر کوئی اور چیز آپ کے پاس ہو تو بیشک بھیج دیجئے، یہ ام لٹے، رنگ ترے، آلو بخارے تو یہاں بھی مل جاتے ہیں، نہ بھیجنے کی تکلیف نہ کیجئے والسلام

خادم

برہم ناتھ دت

مولوی عبدالغنی صاحب ڈار کے نام

(۱)

امرت سر

۳ فروری ۱۹۴۹ء

محترم۔ تسلیم

گاندھی جی سے تمہیں والہانہ محبت و عقیدت تھی، اُن کا انتقال تمہارے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے، تم اُن سے مل کر جی ہلکا کر لیا کرتے تھے، اب کہاں جاؤ گے؟ ایک آسرا تھا وہ بھی ٹوٹ گیا!

صبر کر صبر ہو چکا جو کچھ اے دلِ بے قرار ہونا تھا
اس کے سوا اور کرو گے بھی کیا؟

مرنے سے آدمی شہید نہیں بن جاتا، اسباب موت، موت کو شہادت کا درجہ دیتے ہیں گاندھی جی ایک جنونی کے پستول سے نکلی ہوئی گولی کا نشانہ اس لئے بنے کہ وہ اپنی پرارتھنا سبھا میں ہر شام ببانگ دہل، امن اور سلامتی کا پیغام دیا کرتے تھے، یہ مفسدوں، بدمعاشوں کے منصوبوں کے خلاف تھا،

گر عاشق صادقی ز کُشتن مگریز
مردار بود کسے کہ او را نہ کُشند

گاندھی جی تو کفن بردوش تھے ہی، ظالموں نے مار کر اُنھیں زندۂ جاوید بنا دیا، فطرت کا ہمیشہ یہی تقاضا رہا ہے کہ عظیم انسانوں کی موت ناگہانی ہو۔ تاکہ عظیم کائنات اس حادثے سے متاثر ہو سکے، گاندھی جی کی موت نے مفسدوں اور جلادوں کے ہاتھ روک دیے اور قتل و غارت کی گرم بازاری ٹھنڈی پڑ گئی، یہ ایک ناقابلِ تصور اور ناقابلِ یقین معجزہ تھا!

من کیوشسی[1] نے کہا ہے کہ مجھے زندگی اور نیک کرداری دونوں سے اُنس ہے، اگر مجھے ان میں سے ایک کو چھوڑنا پڑے تو میں نیک کرداری کے بدلے جان سے ہاتھ دھو بیٹھنا زیادہ پسند کروں گا، گاندھی جی نے نیک کرداری کو نہ چھوڑا اور جان گنوا بیٹھے

آدم گناہ گار تھا، اُس نے نافرمانی کی، اُس کا بیٹا قابیل گناہ گار تھا، اس نے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو جو معصوم اور نیک شعار تھا بلا وجہ قتل کر دیا۔ یہی لعنت ہم نے ورثے میں پائی، قاتل زندہ و سلامت ہے اور راست باز معصوم گاندھی مقتول! خاقانی نے کتنی عظیم حقیقت نہایت مختصر الفاظ میں سمیٹ لی ہے،

خود بوئے چنیں جہاں تواں بُرد
کابلیس بماند و بوالبشر مُرد

جو موت سے نہیں ڈرتے اُنھیں موت سے کیا زیاں، سقراط، یسوعؑ، منصور، گاندھی کے لئے زیست اضطراب تھی، کیوں کہ اُن کے لئے

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

---

[1] چینی مفکر

کا معاملہ تھا اور موت اُن کے لئے پیغام آرام و راحت تھا،

در ماتم تو دہر بسے شیون کرد | لالہ ہمہ خون دیدہ در دامن کرد
گل جیب قبائے ارغوانی بدرید | قمری نمد سیاہ در گردن کرد

نیازمند

برہم ناتھ دتا

(۲)

امرت سر

۲۴ فروری ۱۹۵۸ء

بھائی ـ مجھے تم سے دلی ہم دردی ہے، تمھارا ایک اور ممدوح چل بسا اور یہ قصہ ختم ہوا، جیسا کہ اُن کے نام سے ظاہر ہے، مرحوم "کلام کا باپ" اور "آزادی کا مجسمہ" تھا، ایشیا بھر میں علم و فضل کی پختہ کاری اور افکار و جذبات کی صلاحیت میں اُن کا ثانی کوئی نہ تھا،

کہا جاتا ہے کہ نثر نگار اپنی شہرت کی بنیادیں ریت پر کھڑا کرتا ہے اور شاعر سنگ مرمر پر، مولانا نے الہلال، البلاغ، تذکرہ، غبار خاطر، اور ترجمان القرآن سب نثر میں لکھے اور بقائے دوام کا تاج پہنا، تم اُس نثر کو کیا کہو گے، جس کے متعلق حسرت موہانی جیسا عظیم شاعر، بے لاگ اور بے باک تنقید نگار یہ کہے

جب سے دیکھی ابو الکلام کی نثر
نظمِ حسرت میں بھی مزا نہ رہا

اُن کی نثر، نظم کی تمام رنگینیوں دل آویزیوں اور رعنائیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، اس اسلوب بیان کے وہ موجد بھی تھے اور خاتم بھی، نہ اُن سے پہلے کوئی ایسا ہوا، نہ اُن کی زندگی میں کوئی اُن کی ہم نوائی کرسکا اور نہ اُن کے بعد کوئی ایسا اُٹھے گا جو اُن کی کامیاب تقلید کرسکے

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دئے
پیدا کئے تھے چرخ نے جو خاک چھان کر

پلوٹارچ آج سے دو ہزار برس پہلے کہہ گیا ہے، کہ بُرا فعل تو سفلہ پن ہے، نیک کام جس میں کوئی خطرہ نہ ہو، عام دستور کی بات ہے، مگر خطروں کو مول لیتے ہوئے، کسی عظیم کام کو سرانجام دینا، نیک اور بلند آدمیوں کا شیوہ ہے، مولانا اس کے نہ صرف عامل تھے بلکہ مبلغ بھی اور اُس کے مفسر بھی،

مصیبت میں آنسو بہانا عام لوگوں کا شیوہ ہے، اور اس موقع پر تو،

اندر فتنِ شمس از شفق خوں بچکید — مہ روئے بکند و زہرہ گیسو ببرید
شب جامہ سیاہ کرد در ماتم و صبح — بر زد نفسی سرد و گریباں بدرید

مگر پھر بھی خواص اس سے پرہیز کرتے ہیں، جگنو پرواز کے وقت بقعۂ نور بن جاتا ہے اور اپنی ضوفشانیوں سے تاریکیوں کو دور کر دیتا ہے لیکن اگر ساکن ہے تو مجسم تاریکی ہے، رونا دھونا جمود کا بدترین پہلو ہے، اس لئے آؤ، ہم عمل سے

زندگیوں کو سنوارنے کی کوشش کریں، یہی عبادت ہے، یہی فریضہ، یہی کارِ ثواب، خدا تم کو زندہ و سلامت رکھے۔ اُن کے چھوڑے ہوئے کاموں کو تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرو۔ والسلام

نیاز مند

برہم ناتھ دت

(۳)

امرتسر

۳ مارچ ۱۹۵۸ء

محب المحترم۔

آپ نے لکھا کہ ..... نے آپ کو شدید نقصان پہنچایا اگر آپ نے بدلے میں اُس سے نیک سلوک کیا، یہ بدھ، سقراط اور مسیح کی تعلیم ہے، بدھ کا کہنا ہے کہ" وہ مجھ کو بلا وجہ تکلیف دیتا ہے، میں اُس کے بدلے پیار کی کمپینٹ کروں گا، جتنا زیادہ زیاں پہنچائے گا اُتنی ہی زیادہ نیکی میں اُس سے کروں گا" سقراط سے اُس کے شاگرد کریٹو نے پوچھا کہ عام لوگوں کا وتیرہ یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بُرائی ہو، ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے؟" سقراط نے پوچھا، "برائی کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ دوسروں کو گزند اور تکلیف ہو، کیا یہ

CRITO

ٹھیک ہے"؟ کریٹو نے کہا "ہاں"، سقراط نے کہا "پھر واجب یہ ہے کہ چاہے کوئی کتنی ہی برائی کرے، ہم کو برائی سے بچنا چاہئے" مسیح کا کہنا یہ ہے کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا کرو" اور مشہور ناصح سعدی کا بھی یہی خیال ہے،

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَا

کن فیوسشش جو ۵۵۱ ق م چین میں پیدا ہوئے، اُن کا نظریہ ان بزرگوں کے نظریئے سے مختلف ہے کسی نے پوچھا، "بدی کے بدلے کیا نیکی کرنی چاہئے؟ تمہاری کیا رائے ہے؟" فرمایا "اگر بدی کا بدلہ نیکی ہو، تو پھر نیکی کا بدلہ کیا ہوا؟ اصول یہ ہونا چاہئے کہ بدی کے بدلے عدل گستری ہو اور نیکی کے عوض نیکی"۔

میری رائے میں کن فیوسشش کا نظریہ اس جہان میں بسنے والے آدمیوں کے لئے ہے اور دوسرے بزرگوں کا آسمان پر بسنے والے فرشتوں کے لئے، اگر تم اپنے طرزِ عمل کو صحیح سمجھتے ہو، تو پھر تمہیں اپنے لئے ایک نیا جہان بسانا ہوگا، اس جہان میں جیسا کہ یہ اب ہے، تمہارا گزارا مشکل ہے،

سنتا ہوں کہ منشی احمد الدین ٹاٹا نگر سے واپس آ گئے ہیں۔ انھیں سلام کہنا، آپ کی عوامی اور جمہوری حکومت نے بیکار بنا دیا، کاروبار بند ہے، گرانی نے کمر توڑ دی ہے، یافت ایک پھوٹی کوڑی کی بھی نہیں، مگر فکر

کا ہے کی ع

موت سستی ہے لوگ کہتے ہیں

مخلص

برہم ناتھ دت

(۴۷)

امرت سر

۹ جولائی ۱۹۵۸ء

کرمی۔ اخبارات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ غذائی صورت حال کے متعلق بڑا ہنگامہ ہوا، اور متعلقہ وزیر کو مستعفی ہونے کے لئے کہا گیا، مگر اس سے کیا بنے گا کنفیوسشس کے مطابق، ملک کی آزادی کے بقا کے لئے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے (۱) کافی اسلحہ (۲) کافی غذا (۳) حاکم پر اعتماد، کافی اسلحہ کے بغیر بھی ملک آزاد رہ سکتے ہیں، اور آزاد رہے ہیں، بھوکی رہ کر بھی قوموں نے لڑائیاں جیتی ہیں، مگر جب حکومت پر اعتماد نہ رہا، تو پھر ملک کا بچاؤ کہاں! اگر رعیت سے صلح ہے تو دشمن کا کیا ڈر اور رعیت بدظن ہے تو دشمن گھر میں موجود ہے، بچاؤ کی کیا صورت؟

بھائی، مصیبت یہ ہے کہ اخلاقی قدریں گر رہی ہیں، ستمگر دولت مند بن کر

پبلک زندگی پر چھا گئے ہیں، کانگرس جو کل تک ایثار اور قربانی کا ٹھکانا تھی آج یافت اور نفع کا ذریعہ بن کر رہ گئی ہے، اچھے آدمی دل برداشتہ ہو کر علحدہ ہو رہے ہیں اور تمہارا گھر آپس میں بٹا پڑا ہے، اس کو سنبھالنا مقدم ہے، آزادی روٹی سے زیادہ ضروری اور قیمتی چیز ہے، طوائف الملوکی اخلاقی قدروں کے فقدان کا دوسرا نام ہے، کانگرس کو سدھارنے کی کوشش کرو، اس کے سدھرنے سے حکومت سدھر جائے گی، حکومت کے سدھار سے رعیت کا تعاون حاصل ہو جائے گا، اور تعاون سے غذائی صورت اچھی ہو جائے گی،

نیاز کیش

برہم ناتھ دت.

(۵)

امرت سر

۲۳ فروری ۱۹۵۹ء

جناب مولوی صاحب۔ تسلیم، اب کے بجٹ سیشن میں آپ کی تقریر بڑی معرکہ خیز تھی، آپ نے حکومت کی اصلاح اور صوبے کی فلاح کے لئے کئی قابلِ قدر تجاویز پیش کیں، مگر افسوس سب سے مقدم چیز کو آپ نے نظر انداز کر دیا۔

ایک چینی بادشاہ اپنے ملک کے پانچ خدا رسیدہ بزرگوں کو ساتھ لے کر

چٹ زیو کے پہاڑ پر طاؤ کی زیارت کے لئے چلا، چند دن کی مسافت کے بعد وہ راستہ بھول گیا جستجو کے بعد انھیں ایک لڑکا گھوڑے چراتا ملا، بادشاہ نے اُس سے پوچھا کہ تم چٹ زیو کا راستہ بتا سکتے ہو؟ چرواہے نے کہا، "ہاں" بادشاہ نے اُسے طاؤ کے مقام کے متعلق بھی پوچھا، تو اس نے کہا کہ میں اُس کا ٹھکانا بھی بتا سکتا ہوں،

بادشاہ نے کہا، "یہ چھوکرا خوب ہے جو نہ صرف چٹ زیو کو جانتا ہے بلکہ طاؤ کے ٹھکانے کو بھی، "اچھا لڑکے، یہ تو بتاؤ کہ اگر حکومت تمھارے سپرد کردی جائے تو ملک پر تم کس طرح حکمرانی کروگے"؟

لڑکے نے کہا "اسی طرح جیسے میں گھوڑوں کی رکھوالی کرتا ہوں، جب میں بچہ تھا تو میری نگاہیں خیرہ تھیں، ایک دانا نے مشورہ دیا کہ میں سورج کے رتھ میں بیٹھ کر وسعتوں میں گھوموں، اس سے مجھے وسیع نظری حاصل ہوگئی اور میرا دائرہ عمل وسیع ہوگیا"

بادشاہ یہ سُن کر بہت متاثر ہوا اور پوچھا کہ ہر چند حکومت کرنا ایک چرواہے کے دائرہ عمل سے باہر ہے، پھر بھی یہ بتاؤ کہ اگر تم کو حکومت سونپ دی جائے تو اس کام کو کس طرح نبھاؤ گے" لڑکے کو "حکومت" کے نام سے چڑ تھی، خاموش ہو رہا، بادشاہ جواب کے لئے بضد ہوا تو لڑکے نے جھلا کر جواب دیا کہ

"ملک پر حکومت کرنے اور گھوڑوں کی دیکھ بھال میں فرق ہی کیا ہے؟"

صاحب! چرواہا ڈھونڈو. جو حکومت کو خدمت کا نعم البدل سمجھے، مگر یہ تمہارے بس کی بات نہیں لاجپت رائے کی ولادت کے بعد، ہمارے بدقسمت صوبے کی عورتوں نے بانجھ رہنے کا حلف لے رکھا ہے، اس کا تمہارے پاس کیا علاج؟

نیاز کیش

برہم ناتھ دت

مولوی محمد ابراہیم صاحب ناگی کے نام

(۱)

امرت سر

۱۰ ستمبر ۱۹۵۸ء

محترم - تسلیم

اعتراف عجز کے سوا کوئی چارہ نہیں، اللہ اللہ روانی ہے کہ دریا اُمڈا آ رہا ہے، روکے نہیں رُکتا، تھامے نہیں تھمتا، مرصع الفاظ قطار اندر قطار، مسلسل سرعت و تیزی سے، یکے بعد دیگرے، بہتے چلے آ رہے ہیں کہ دہشت طاری ہو رہی ہے، ذہن سراسیمگی اور بے چارگی کے عالم میں افتاں و خیزاں، متعجب و مسحور، تعاقب میں ہے کہ کہیں یہ سرمایۂ گراں ہاتھ سے نکل نہ جائے، خدا تم کو سلامت رکھے کہ لفظوں ہی میں وہ شیرینی بھر دی کہ کام و دہن قند و نبات سے بھر گئے، چلتے چلتے اس فقیر کا بیراگی سے بھی تعارف کرا دیا اور غالب، چندر بھان اور اقبال سے بھی!

بات یہ تھی کہ علامہ عرشی کو ہنسی مذاق میں کہہ دیا کہ مولوی صاحب ایک بھلے آدمی ہیں، سانپ سے انہیں کیا نسبت؟ بات آپ تک جا پہنچی، حقیقت یہ ہے کہ مقصد کچھ اور نہ تھا صرف دل لگی تھی، بات مذاق کی سطح سے تحقیق کی

بلندی پر جا پہونچی، سو عرض ہے کہ "ناگ"، سنسکرت کا لفظ ہے، جس کے معنی، ہاتھی اور پھنیرے سانپ کے ہیں، ناگنی مونث ہے، مگر "ناگ" کی جیتی کو "ناگنی" کہتے ہیں، ناگ ہندو خرافیات[۱] میں دیوتا مانا جاتا ہے، چہرہ انسانی، باوقار، مگر دُم سے سانپ، وشنو کا بستر (سیج) یہی ناگ ہے، شو کا شنگار یہی ناگ ہے کہ زیب گلو ہے، کرشن اسی کی پھونک سے سیاہ فام ہو گئے، سکندر اعظم کی ماں اولمپیا[۲] کے پاس رات کو یہی ناگ آیا اور اس کی تولید کا باعث بنا، بدھ اسی شیش ناگ کی اولاد میں سے ہیں، فرعون مصر کے تاج پر کلغی کی شکل میں یہی ناگ سجدوں کا سزاوار ہے، ہندوستان بھر میں سال میں ایک بار اسی ناگ کی تقدیس میں ناگ پنچمی منائی جاتی ہے، یہی ناگ ہے جس نے حوا کو بہکایا اور یہی ناگ ہے جس کا ڈسا پانی نہیں مانگتا!

مسوپٹیمیا میں شاہ گوڈی[۳] کے قربانی کے پیالوں پر ناگ ہی کا نقش مزین تھا اور سمرنا میں سانپ کو ننگش ذیڈا[۴] دیوی کا ظہور سمجھا جاتا تھا کہ شفا کی دیوی ہے۔ اور یونان میں ایس کولاپیس[۵] شفا کی کنواری دیوی کے ہاتھوں میں جو پیالہ دکھایا گیا ہے، اس میں ناگ منہ ڈالے ہوئے ہے، اور کواکتل[۶] روایات میں اس کو سمندروں کا آقا بنایا گیا ہے، اس کی پُر شکوہ شخصیت، وجاہت، بانکپن کا اندازہ اُس وقت کیجئے، جب یہ راگ کا رسیا، بین کی دھن پر، اپنا تاج پھیلائے، والہانہ جھومتا ہے اور برق رفتاری سے دام

NINGISH ZIDA[۴] GODIA[۳] OLYMPIA[۲] MYTHOLOGY[۱]

KUAKITUL[۶] AESCULA PIEUS[۵]

کرتا ہے کہ بے اختیار تحسین و آفرین کہنے کو جی چاہتا ہے،

ہند اور بیرونِ ہند، بہت سی اقوام اپنے آپ کو ناگ کی اولاد کہتی ہیں، ناگا پہاڑیوں کے ناگا لوگ، ناگ دیوتا ہی کی اولاد کہلاتے ہیں، ہند میں ناگی برہمن بھی ہیں اور چھتری بھی، برہمن رشی وشن کرما کی اولاد ہیں، جو شو جی کا ہم عصر اور رفیق تھا، چھتری راجہ بیر سین کی اولاد ہیں جو ناگی تھا (ناگپور انہی ناگا راجاؤں کا دارالحکومت رہا ہے) جس نے دو سو برس ق۔م مہاراجہ وسودیوا کو شکست دے کر اُس کی بیٹی رکمنی سے شادی کر لی تھی، وسودیوا نسل سے تاتاری تھا، اور کشان خاندان میں سے تھا، جنہوں نے ترکستان سے اُٹھ کر کابل، قندھار، کشمیر اور متھرا تک کے علاقے پر تسلط جما لیا تھا، کشان، شو جی کے عبادت گزار بن گئے تھے اُن کے سونے کے سکوں پر مہادیو یشور را (جو شو جی کا دوسرا نام ہے) کندہ تھا، قیاس ہوتا ہے کہ آپ کے اجداد یہی ہیں

تبدیلِ مذہب، اور اعتقادات و نظریات کے متعلق آپ کے ارشادات قابلِ قدر ہیں مسلمان ہونا کوئی آسان بات نہیں

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اقبال کہتا ہے،

چو مے گویٔ مسلمانم، بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الہ را

سچ ہے، انسان ہونا، آسان نہیں!

گل عزیز است ہر کجا روید　　خواہ در راغ خواہ در گلشن
خار خار است ہر کجا باشد　　خواہ در باغ خواہ در گلخن

ماشاء اللہ، آپ خود اچھے ہیں، اچھوں کی اولاد ہیں، ملفوف خواجہ[۱] صاحب کو دے دیجئے کہ اُن کے لئے ہے، والسلام بصد احترام

خیر اندیش

برہم ناتھ دت.

(۲)

امرت سر

۲۵ ستمبر ۱۹۵۹ء

مکرم و محترم مولوی صاحب۔

بنوک خامہ رقم کردہ سلام مرا　　کہ کارخانۂ دوراں مباد بے رقمت

گرامی نامہ ملا، اللہ اللہ روانی وہ کہ اُس کی تقلید دشوار، بلندی وہ کہ اُس تک رسائی محال، "کوزے" کی ارتقائی منزلوں کا کیا خوب صورت نقشہ آپ نے کھینچا ہے، ہاتھ چومنے کو دل چاہتا ہے، میں تو کیا، خیام بھی قبر میں تڑپ اُٹھا ہوگا،

---

[۱] خواجہ اسمٰعیل صاحب کا بچّو بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی

علامہ عرشی تو ۲۰ کو لاہور پہنچ چکے تھے، پھر دیدِ شوق کی بے تابیاں کیوں؟ اُن کے جانے سے گھر کی عجیب کیفیت ہے

تمھارے جانے سے تاریک ہو گئی دنیا
قمر میں نور ستاروں میں روشنی نہ رہی

گھر سونا سونا دکھائی دیتا ہے، واقف بٹالوی اس تجربے سے واقف تھا، کہتا ہے

آز مودم ہمہ غم ہائے جہاں را واقف
از غمِ دُوریِ احباب بتر چیزے نیست

حکومتوں کی پابندیوں کی بدولت انھیں جانا ضرور تھا، اکتوبر اکتوبر یہاں ٹھہر جاتے تو صحت کچھ اور اچھی ہو جاتی مگر کیا کیا جائے، غیر متوقع حالات و اسباب آرزوؤں اور تدبیروں کو ناکام بنا دیتے ہیں، اور آدمی بے بس ہو جاتا ہے، میں نے موقع کی نزاکت دیکھ کر، اُن کو پہلی گاڑی سے روانہ کر دیا،

خطوط کی اشاعت کا انحصار آپ کے لطف و کرم پر ہے،

ما بداں مقصد عالی نتوانیم رسید
ہاں، مگر پیش نہد لطفِ تُما گامے چند

شوجی کی تصویر آپ کو بھیج دی جائے گی، اُن کے سر پر جو ابھار تصویر دل میں دکھایا گیا ہے وہ "ناگ" نہیں، یہ داستان بھی سن لیجیے

بھاگیرتھ ایک راجہ تھا، جس کی حکومت ہمالیہ کے دامن سے خلیج بنگالہ

کے کناروں تک پھیلی ہوئی تھی، پانی کی قلت نے اس کی رعایا کو بدحال کر رکھا تھا، گنگا، وشنو کے پاؤں تلے سمٹی پڑی تھی، بھاگیرتھ نے اپنی ریاضت و بندگی سے "وشنو" کو خوش کر لیا، یہاں تک کہ "وشنو"، گنگا کو اپنی گرفت سے آزاد کرنے کے لئے تیار ہو گئے، تلاطم خیز موجوں کی روانی بربادی کا باعث ہو سکتی تھی، سارا کا سارا ملک ہی بہاؤ میں بہہ جاتا، اس لئے پانی کے جزر و مد کے لئے ایک ایسی چیز کی ضرورت تھی جو پانی کو پہلے سمیٹ لے اور پھر ضبط و ترتیب سے اس کو زمین پر چھوڑ دے بھاگیرتھ نے منت سماجت سے شوجی کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ گنگا کو اپنی جٹاؤں (بالوں) میں سمیٹ کر زمین پر لے آئیں۔

شوجی پانی کی خنک دھار سے اتنے مسرور و مسحور ہوئے کہ آنکھیں بند کر لیں اور مست ہو بیٹھے، جوں جوں پانی گرتا گیا، جٹاؤں کو پھیلاتے گئے اور پانی کو سمیٹتے گئے، بھاگیرتھ بیچارہ ہاتھ باندھے کھڑا تھا مگر شنوائی نہ ہوتی تھی، پانی کی ایک بوند بھی زمین تک نہ پہنچتی، ناگہاں شوجی کا سر جھوم گیا اور گنگا جٹاؤں سے چھوٹ کر زمین پر بہنے لگی، یہ "ابھار"، گنگا کی دھار کا ہے۔

ایک ہندی شاعر نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے، شعر سے لطف اُٹھانے اور اُس کی داد دینے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے، کہ شوجی کو نشیات کا شائق بیان کیا جاتا ہے

شو کیے روئے روئے، آنسو بہائے، ہائے
بھنگا کی ترنگا میں گنگا لہرا گئی

"ونگ کی ترنگ" میں سرجھوم جایا کرتا ہے "لہرا گئی" شعر کی جان ہے، شعر مایوسی اور تاسف کا مرقع ہے، اچھا اب اجازت دیجئے، آپ کا بڑا وقت ضائع کیا، والسلام

خیراندیش
برہم ناتھ دت

تقدس مآب سوامی رامانند سرسوتی کے نام

(۱)

امرت سر

۱۳ جون ۱۹۵۵ء

حضور!

پاک بازی کے متعلق آپ کے ارشادات قابلِ قدر ہیں، ہر مذہب نے انھیں خیالات اور نظریات کی تائید کی ہے، طہارت اور پاک بازی کے بغیر انسان کس کام کا؟

ژند اوستا میں پاک بازی پر بہت زور دیا گیا ہے، جسمانی بیماریوں کی شفا کے متعلق ارشاد ہے کہ پاک بازی سے تن درستی باقی رہتی ہے، عمل جراحی اور جڑی بوٹیوں کے استعمال سے بھی لوگ چنگے ہو جاتے ہیں۔ مگر پاک کلام سے بھی شفا حاصل ہوتی ہے اور روحانی جسمانی بیماریوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، بیماری بھاگ جاتی ہے، موت بھاگ جاتی ہے، جن بھوت بھاگ جاتے ہیں، ظلم کی بھیڑ بھاگ جاتی ہے، بھیڑیئے بھاگ جاتے ہیں، سانپ بھاگ جاتے ہیں، ان کے علاوہ، دیکھو! غرور بھاگ گیا، نفرت بھاگ گئی، گرما گرمی بھاگ گئی، شیطان بھاگ گیا اور انسان پاک دامن بن گیا،

بات یہیں ختم نہیں ہوتی، ایک اور جگہ پوچھا گیا ہے، کہ "وہ ایک لفظ کیا ہے جو مظہر نیکی و اخلاق ہے،" جواب ملتا ہے کہ "پاک دامنی"، جو کامل یقین اور صدقِ دل سے پاک دامنی اختیار کرتا ہے، وہ دھرتی ماتا کی توصیف کرتا ہے، وہ خدا کی بنائی ہوئی ذی روح کی خیر خواہی کا دم بھرتا ہے، وہ اشجار کے مفید ہونے کا اعتراف کرتا ہے، وہ اُن سب چیزوں کی تعریف کرتا ہے جو ظہور میں آئیں، اس ایک لفظ کے ورد کر لینے سے، طاقت بڑھتی ہے، روح میں نیکی کے جذبات ابھر آتے ہیں اور راست بازی کا تسلط جم جاتا ہے

حضور دیکھئے۔ کتنے واضح اور زوردار الفاظ میں پاک دامنی کی عظمت کو ظاہر کیا گیا ہے، اپنے اگلے ویاکھیان (درس) میں ان اقوال کا ذکر ضرور کیجئے تاکہ آپ کے بھگتوں (عقیدت مندوں) کو معلوم ہو جائے کہ دوسرے مذاہب میں بھی کتنے گراں بہا خزینے بھرے ہوئے ہیں اور دوسرے مذاہب نے بھی نیکی اور پاک بازی کی توصیف میں کیا کچھ کہا ہے،

عیب بینی یا عیب جوئی کے لئے نہیں، عقیدت اور نیازمندی کے جذبے سے متاثر ہو کر، ایک واقعہ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں، امید ہے ناگوار نہ گزرے گا، انیسویں صدی کے وسط میں بوسٹن [لہ] (امریکہ) میں تمام مذاہب کی ایک مجلس منعقد ہوئی تھی، اس میں ایک سنہ زور نوجوان پادری نے

لہ BOSTON

انجیل مقدس کا حوالہ دے کر بڑے طمطراق سے یہ دعوےٰ کیا کہ دوسرے مذاہب کی کتابوں سے ایسے گراں بہا اور گراں قدر خیالات کوئی کیا پیش کرے گا؟ عین اُس وقت امریکہ کا حکیم ونکرا ایمرسن[1] (جو اُس جلسے میں موجود تھا) آہستہ سے اپنی جگہ سے اُٹھا، اور متانت سے یہ کہہ کر بیٹھ گیا کہ "پادری صاحب کے فرمان سے صرف یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ آپ کے علم اور استعداد کا دائرہ بہت محدود ہے"

خاکسار

برہم ناتھ دت

(۴)

امرت سر

۱۴ اپریل ۱۹۵۶ء

حضور! آپ کا ارشاد اور فرمانا بجا، حقیقتاً ناشائستہ اقوام میں تبلیغ جان جوکھوں کا کام ہے، بھلائی کے کام تو ہر صورت میں ایثار اور قربانی چاہتے ہیں، عیسائیوں نے اس بہلو میں بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں اور مسلمانوں نے اُن سے کم، مگر یہودیوں، پارسیوں اور ہندوؤں کا مذہب تبلیغی نہیں ہے

---

[1] EMERSON

ہندو شفاعت پر یقین نہیں رکھتے، اُن کے ہاں سزا اور جزا کا مدار اپنے کئے ہوئے افعال پر ہے، اگر فعل اچھے ہیں تو جنم اچھا مل جائے گا اور اگر بُرے ہیں تو جنم ناقص ملے گا، اس لئے یہ مذہب نومرید کے لئے کشش نہیں رکھتا، عیسائیت اور اسلام میں کفارہ اور شفاعت ہے، تائب ہونے اور ایمان لانے پر خدا غفار ہے اور بخشش بہشت کی ضامن!

یوں بھی شدھی ہندوؤں کے مزاج کے موافق نہیں، اگر خدا نخواستہ کوئی قسمت کا مارا شدھ ہو جائے تو سوسائٹی اس کو مساوات کا درجہ نہ دے گی، اس کو اپنے بچوں کی شادی کے لئے اپنے جیسے ہی نو ہندو ڈھونڈنے پڑیں گے، ذات پات کا بندھن اتنا گڑا ہے کہ میں بھی اپنے بچوں کی شادی موہیال برہمنوں کے سوا کسی اور فرقے میں نہیں کر سکتا۔

سوامی دیانند نے اچھوتوں کو "مہاشہ" بنا دیا اور مہاتما گاندھی نے "ہری جن" وہ نام کے تو "بلند نظر" اور "خدا کے مقبول" بن گئے مگر رہے اچھوت کے اچھوت سماج میں انھیں کوئی بلند مقام نصیب نہ ہو سکا، اگر کوئی خوش قسمت اچھوت عیسائی بن گیا تو ارتھر شموئل کہلایا، اس کی وضع قطع بدل گئی، لباس پوشاک میں تبدیلی آگئی، تعلیم کے زیور سے مزین ہو کر ہندوؤں کے ہاں بھی وہ صاحب بہادر کہلایا، اگر سکھ ہو گیا تو گندگی اُٹھانے اور مردار کھانے سے چھوٹا، اُس کے طور طریقے بدل گئے، فوج پولیس میں بھرتی ہو کر سردار صاحب بن گیا، مگر جو بدقسمت "مہاشہ" یا "ہری جن" رہا وہ "جھنڈا" اور "گنڈا" ہی رہا، جھنڈا رام،

ARTHUR SAMUEL ؎

گنڈارام تو گنجا، جھنڈامل، گنڈامل بھی نہ بن سکا۔! حضور، غیر ہندوؤں کی شدھی کی طرف راغب ہونے سے پہلے سوسائٹی کے نظام کو درست کیجئے۔ دعوت دینے سے پہلے ذرا آنگن تو صاف اور کشادہ کرلو، اُن کو کہاں بٹھاؤ گے؟ اگر یہ ممکن نہیں تو پھر پس ماندہ لوگوں کو اونچا ہو لینے دو، اُن کی ترقی کے راستے میں حائل ہو کر اُن کی بربادی اور تباہی کا باعث کیوں بنتے ہو؟

تبلیغ میں سو دقتیں ہیں، جب اُونیا نے گوتم سے کسی وحشی علاقے میں تبلیغ کی اجازت مانگی، تو گوتم نے اُس سے کہا "اونیا! اُس ملک کے لوگ وحشی ہیں، ظالم اور بے رحم ہیں، جب ناراض ہو جائیں گے اور تم کو نقصان پہنچائیں گے، تو تم کیا کرو گے"؟

اونیا نے کہا، "یقیناً اُن کو اچھا اور نیک سمجھوں گا تاکہ وہ ناراضی سے آگے نہ بڑھیں، ورنہ وہ مجھے پتھر بھی مار سکتے تھے"۔ گوتم نے کہا، "تم کو پتھر اور گھونسے ماریں تو؟ اونیا نے کہا، "تو پھر بھی اُنھیں نیک اور اچھا ہی کہوں گا کہ انھوں نے مجھے ڈنڈے اور تلوار سے نہیں مارا"۔ گوتم نے کہا، "اگر تلوار اور ڈنڈے ماریں تو؟" اُونیا نے جواب دیا، "تو پھر اُن کا عظیم احسان ہوگا کہ معمولی اذیت سے انھوں نے اس گناہ آلودہ جسم کو ختم کر کے مجھ کو آزاد کرا دیا"۔

حضرت مسیح نے بھی اپنے شاگردوں کو انھیں خطرات سے آگاہ کیا اور تلقین کی کہ "میں تم کو بھیجتا ہوں، گویا بھیڑوں کو بھیڑیوں کے بیچ میں، پس سانپوں کی طرح ہوشیار اور کبوتروں کی طرح بے آزار رہو"۔

حضور! آپ کو ایسے مخلص، ایثار پیشہ اور پیار بھرے دل والے آدمیوں کی بھی ضرورت ہو گی، آپ کو یہ کیوں کر اور کہاں سے میسر آئیں گے؟ میرا خیال ہے کہ آپ اُن پس ماندہ طبقوں کی طرف توجہ فرمائیں جو ہندو قوم سے وابستگی کا اظہار کرتی ہیں، اور اُن کو عام ہندوؤں کی سطح پر لانے کی کوشش کریں، اُن کو علم کے زیور سے مزین کیجئے کہ وہ برہمن بن جائیں، جنگی تعلیم دیجئے کہ وہ چھتری کہلائیں، تاجر بنائیے کہ وہ بنئے ہو جائیں، جب آپ اس کام سے نپٹ لیں تو بصد شوق دنیا بھر کو ہندو بنا ڈالیئے، چشم ما روشن دلِ ما شاد، مگر یہ کام بھی حضور بڑا کٹھن ہے،

خاکسار

برہم ناتھ دت

(۳۷)

امرت سر

۲۹ اکتوبر ۱۹۵۷ء

حضور! ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک دانا لوگ اس کھوج میں لگے ہوئے ہیں کہ خدا کہاں ہے؟ اور اس کو بس میں کرنے کے کیا طریقے ہیں، آپ کا کل کا وعظ اسی مضمون پر تھا، آپ کی فصیح البیانی اور شیریں کلامی نے

سامعین کے دل پر بہت گہرا اثر گیا، لوگ آپ کی خوش بیانی اور خوش فکری کی تعریف کر رہے تھے، اُس قرب اور عقیدت کی وجہ سے جو مجھے آپ کی ذات سے ہے، مجھے بھی بڑی خوشی ہوئی،

حضور، ہمارے شمال میں تبت کے اوپر ایک ملک ہے جس کو چین کہتے ہیں، چین کے معنی دنیا کے مرکز کے ہیں، اس ملک کی تہذیب ہمارے ملک کی تہذیب کی طرح بہت پُرانی ہے، یہ لوگ منگول نسل سے ہیں، اس ملک کی آبادی ہمارے ملک سے کہیں زیادہ ہے وہاں بھی کئی رشی مُنی پیدا ہوئے، جنھوں نے بہت سی مفید اور کار آمد کتابیں لکھیں اور عمدہ عمدہ درس دئے، ہمارے ہم وطن بھائی اُن کی تعلیمات سے نا آشنا ہیں، اُن کے ہاں بھی اس سوال پر غور کیا گیا تھا، وہ کس نتیجہ پر پہنچے یا اُن کا نظریہ کیا تھا، جناب کے گوش گزار کرنے کی جرأت کرتا ہوں، اس میں تنگ کوڑ زی سائیل ہے چنگ زی جیب تنگ کوڑ زی نے چنگ زی سے پوچھا "جس کو تم خدا کہتے ہو، وہ ہے کہاں؟"

جواب دیا، "کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں وہ نہ ہو"

اعتراض کیا گیا کہ "جواب گریز کا پہلو لئے ہوئے ہے، ایک جگہ کا نام کیوں نہیں لیتے"

"وہ چیونٹی میں ہے"

"اتنے نیچے کیوں چلے گئے؟"

"وہ گھاس میں ہے"

"اور نیچے!"

"وہ ٹھیکرے میں ہے"

اس پر تنگ کُوؤ زی نے گھبرا کر کہا، "ہیں، کہاں جا پہنچے؟"

چنگ زی بولا، "وہ گوبر میں ہے" تنگ زی، دل برداشتہ ہو کر خاموش ہو گیا، چنگ زی نے کہا، "تمھارے سوال کا نفس الامر سے کوئی تعلق نہیں، جب ہیُو منڈیوں کے افسر سے کسی فربہ جانور کی چربی کے متعلق پوچھا گیا تو اُس نے جانور کے اُسی حصّہ کا معائنہ کیا جس میں چربی کم پائی جاتی ہے، جب خدا ہر جگہ موجود ہے تو اُس کے مقام کا تعین کرنا کیا معنی!"

چیزوں کا آغاز اور انجام خدا کی طرف سے ہے، مگر خدا نہ آغاز ہے اور نہ انجام، پیدائش اور فنا اُس کی طرف سے ہے مگر وہ ان دونوں میں سے کوئی نہیں" خدا کو بس میں لانے کے متعلق بھی سوال و جواب کے ذریعے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ مکالمہ شُن اور چنگ کے درمیان ہے،

شُن۔ "میں خدا کو اپنے بس میں کیوں کر لا سکتا ہوں؟"

چنگ۔ "جب تمہارا وجود ہی تمہارا نہیں، تو پھر تمہاری اس خواہش کا کیا مطلب؟"

شُن۔ "یہ جسم میرا کیوں نہیں، یہ تو بتاؤ؟"

چنگ۔ "یہ تو امانت میں دی ہوئی خدا کی صورت ہے، تمہاری زندگی بھی تمہاری اپنی نہیں، خدا کی عطا کردہ امانت ہے، تمہاری انفرادیت بھی

تمہاری اپنی نہیں، یہ بھی امانت ہیں دی ہوئی خدا کی مہربانی ہے۔ تمہاری فارغ البالی بھی تمہاری اپنی نہیں، خدا کی دی ہوئی پوستین ہے، تم چلتے پھرتے ہو مگر حرکت کے اسباب سے ناواقف ہو، تم سوتے ہو، مگر نہیں جانتے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ تم چکھتے ہو مگر قوت ذائقہ کی اہمیت سے ناواقف ہو، یہ خدائی حکمت ہے، جب ہر ایک شے اُس کی طرف سے ہے تو واجب ہے کہ "اُس کا بننے" کی کوشش کرو، نہ کہ اُس کو قبضے میں لینے کی!"

حضور، معلوم نہیں، کہ یہ نظریات آپ کے خیالات سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں، مگر یہ ماننا پڑے گا کہ ان دقیق مسائل کی کھوج میں چینی مفکروں نے بھی تحقیق کے میدان میں بڑی خاک چھانی ہے،

خاکسار

برہم ناتھ دت

(۴)

امرتسر

۳۰ مارچ ۱۹۵۹ء

حضور، وہ مخفی متحرک قوت جو انسان میں نمو اور بالیدگی پیدا کرتی ہے اور اس کو اپنی نسل بڑھانے کی ترغیب دیتی ہے، اُسی کا نام زندگی ہے،

مگر یہ ہے کیا چیز؟ سائنس ابھی تک بتانے سے معذور و قاصر ہے، ابتدا میں خون ہی کو زندگی سمجھا جاتا تھا، کیونکہ خون کا زیان ہی بے ہوشی اور موت کا باعث بنتا ہے، یہی نظریہ عہد نامۂ قدیم اور قرآن شریف کا بھی ہے، کہ انسان کی تخلیق خون کی بوند ہی سے ہوئی، بعد میں جب یہ پتا لگا کہ خون کے نقصان کے باوجود آدمی زندہ و سلامت رہ سکتا ہے تو پھر یہ نیا خیال پیدا ہوا کہ سانس ہی زندگی ہے، سانس لینے کا مقصد و مصرف یہ ہے کہ حیاتین دل اور خون میں پہنچیں پھر جب معلوم ہوا کہ سانس کے رکنے پر بھی لوگ کئی دن زندہ رہ سکتے ہیں تو پانی کو زندگی سمجھا جانے لگا، جیسے دریائے نیل کا پانی مردہ بیج کو زندگی اور تروتازگی بخشتا ہے، اسی طرح نطفہ تخلیق کا باعث ہے، اسی لئے شامی اور اسرائیلی عورت سے ہم بستری کو "سیرابی" کہتے ہیں، اس ساری تحقیق کا منشا یہ تھا کہ زندگی کی بقا کے لئے یا کم از کم درازیٔ عمر کے لئے کوئی دوا، دارو یا منتر مل جائے اور جسم کے بے جان ہونے کے بعد بھی انسان زندہ رہ سکے، مصر اور یونان والوں نے تناسخ ہی کو اس کا حل سمجھا، ۶۴۰ ق م پائتھاگرس اور افلاطون نے اس عقیدے کی تائید کی،

عیسائی اور اسرائیلی سرے سے تناسخ کے قایل نہیں، عمر خیام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ تناسخ کا قائل تھا، مگر یہ اس کی انفرادی رائے ہے ملک شام کے مسلمانوں کا درروزی طبقہ بھی تناسخ کا موید ہے، مگر بحیثیت مجموعی مسلمان اس کے قائل نہیں ہیں، ہندو چاہے کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو، اس بات کو مانتا ہے کہ

انسانی روح ایک قالب سے دوسرے قالب میں منتقل ہو جاتی ہے،
بدھ دوسرے جنم کے تو قائل ہیں مگر تناسخ کے نہیں، یہ ایک عجیب نظریہ ہے مگر اس کے لئے بھی دلیل حاضر ہے، سنئے:

بادشاہ نے پوچھا "کیا دوسرا جنم بغیر تناسخ کے عمل میں آ سکتا ہے؟"

بھکشو "ہاں جناب ایسا ہوتا ہے"

بادشاہ: "تمثیل میں کچھ بیان فرمائیے"

بھکشو۔ "آپ اپنے دیئے کو دوسرے دیئے سے جلاتے ہیں تو کیا اُس دیئے کی روشنی آپ کے دیئے میں آجاتی ہے؟"

بادشاہ: "نہیں دیا ویسا ہی جلتا رہتا ہے"

بھکشو: "اسی طرح دوسرا جنم بغیر کسی تناسخ کے ظہور میں آجاتا ہے"

بادشاہ: "کوئی مثال اور دیجئے؟"

بھکشو: "بہتر ہے سنئے، جب آپ طالب علم تھے تو آپ نے اپنے استاد سے بہت سے اچھے شعر سنے اور یاد کئے ہوں گے"۔

بادشاہ: "ہاں تو پھر کیا؟"

بھکشو: "تو بتائیے کیا وہ شعر آپ کو سنانے کے بعد اُستاد کے ذہن سے ہمیشہ کے لئے اُتر گئے؟"

بادشاہ: "نہیں"

بھکشو: "تو پھر اسی طرح دوسرا جنم بغیر تناسخ کے ظہور میں آجاتا ہے"

حضور، ہزاروں برس سے اس مسئلہ میں موشگافیاں ہو رہی ہیں، مگر کوئی بھی خاطر خواہ طریقہ سے اس کو حل نہ کر سکا، آسان گیر و مختصر گیر کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان اپنے کردار کو سنوارنے کی کوشش کرے اور اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ زندۂ جاوید ہے۔

زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل
گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند

حافظ نے اس سے بھی زیادہ دلکش انداز میں کہا ہے،

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

عدل تو صرف ایک ہی خوبی ہے جس سے دائمی زندگی مل سکتی ہے لیکن اگر انسان جملہ خوبیوں کو اپنانے کی کوشش کرے تو پھر

مردانِ خدا، خدا نباشند
لیکن ز خدا، جدا نباشند

خاکسار

برہم ناتھ دت

(۵)

امرتا سر

۳ جنوری ۱۹۶۰ء

حضور، آپ کا نظریہ زنڈ بدھ سے ملتا جلتا ہے وہ بھی تسخیر نفس پر زور دیتے ہیں اُن کے عقیدے کے مطابق، زندگی، موت اور نروان ایک ہی سلسلے کی تین کڑیاں ہیں، قوت مُدرکہ اور اُس کے لوازمات کی فنا ہی نروان ہے، تمام اشیا ناتخلیق[۱] شدہ ہیں سراب ہی سراب، خواب ہی خواب اور صرف ہمارے اپنے خیالات و تصورات کا نقش۔ جن کو ہم عادتاً حقیقت سمجھنے لگتے ہیں، اُن کے دستور العمل میں بطور استعارہ مدارج تسخیر قلب بھی بیان کئے گئے ہیں۔ چونکہ دلچسپ ہیں اس لئے درج ذیل ہیں،

اس میں "بیل" نفس کے معنی میں آتا ہے، جو ضبط میں لایا جا رہا ہے، بیل کا بتدریج سفید ہوتے جانا اور پھر ہمیشہ کے لئے انسانی فہم سے اُس کا نابود ہو جانا طہارت کی طرف سرگرم کوششوں کا مظہر ہے،

یہ اقوال بیان اور خوبی کے لحاظ سے اس قدر بلند ہیں کہ مترجم کی رسائی سے باہر ہیں اور اس قدر لطیف ہیں کہ بار ترجمہ کے متحمل نہیں ہو سکتے،

ناتراشیدگی

خشم ناک حیوان، خرانٹے مارتا، سینگ ہوا میں اٹھائے

---

[۱] ستھیا

دیوانہ وا، پہاڑوں کی ناہموار راہوں پر سرپٹ بھاگا جارہا ہے
گم راہ اور آوارہ، ایک سیاہ بادل، وادی کے آر پار پھیلا ہوا ہے
کون کہہ سکتا ہے کہ کتنی نازک، نرم اور ہری بھری گھاس
اُس کے ناتراشیدہ کھروں کے نیچے روندی گئی ہوگی؟

آغازِ ضبط

ایک مضبوط رسی میرے ہاتھ میں ہے، میں بیل کو جکڑنے کے لئے، اُس کی نکیل بناتا ہوں
وہ بھاگ جانے کی مجنونانہ کوشش کرتا ہے، میں اُسے کوڑے لگاتا ہوں
بیل اپنی پوری قوت سے جو اُس کی سرکش طبیعت میں پنہاں ہے
تربیت سے روگردانی کرتا ہے اور مزاحمت بھی
مگر چرواہا (سالک) رسی اور کوڑے کو ڈھیلا نہیں ہونے دیتا

منزلِ اوّل

رفتہ رفتہ ضبط سے آشنا حیوان قبولیت کی راہ پر ہے
نکیل سے جکڑا راہ نمائی میں ندی کو عبور کرتا ہے، پہاڑوں کی
کٹھن بلندیوں پر سالک کے پیچھے پیچھے آرہا ہے
سالک بیدار اور ہوشیار، رسی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے
بھوک اور پیاس سے ناآشنا، اپنی گرفت کو ڈھیلا نہیں ہونے دیتا!

روبہ اصلاح

بہت دنوں کی تربیت کے بعد، اچھے نتائج ظہور میں آرہے ہیں حیوان کی طبع روبہ اصلاح ہے، اُس کی سرکشی اور وحشیانہ روش مغلوب اور پامال ہو چکی ہے، وہ اصیل اور حلیم بن رہا ہے، بایں ہمہ محافظ نے ابھی اُسے اعتماد کے قابل نہیں سمجھا، وہ ابھی
بیل کو یا تو رسّی سے تھامے ہوئے ہے، یا درخت سے باندھے ہوئے!

رام

سرسبز اور شاداب بیدِ مجنوں کے تلے، قدیم اور برگزیدہ پہاڑی کے قریب بیل کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے، آزاد، صاحبِ اختیار!
سانجھ سمے جب کہ ایک دھندلکی کہر چراگاہ پر چھا جاتی ہے، چرواہا اپنے گھر کی راہ لیتا ہے، تو بیل بے چون وچرا اُس کے پیچھے ہو لیتا ہے،

تسخیر کامل

ہرے بھرے مرغزار میں، چوپایہ امن وعافیت سے، صابر، قانع اور مطمئن ہے نہ اب اُس کے لئے کوڑے کی ضرورت ہے اور نہ کسی اور پابندی کی

چرواہا بے خطر بے پروا صنوبر کے درخت تلے بیٹھا ہے
امن و آشتی کی بانسری بجاتا، شادمانی اور خرّمی کے
گیت گاتا!

آزاد

بوقتِ غروبِ آفتاب، بہار کی رعنائیاں دامن میں سمیٹے ہوئے ہر
ندی خراماں خراماں دو رویہ صنوبر کی قطاروں کے درمیان بہ رہی ہے
دھند لکے کرۂ ہوائی میں بھی، چراگاہ کی گھاس گنجان اور معطر ہے
بیل بھوک گھاس سے مٹاتا ہے اور پیاس ندی کے پانی سے
خوش حال اور خورسند چرواہا چٹان پر بیٹھا گھنٹوں اونگھتا رہتا ہے
گرد و پیش کے ماحول سے غافل!

خود فراموشی

پاک اور براق سفید حیوانِ مطلق، اب سفید بادلوں سے گھرا ہوا ہے،
رکھوالا اور اُس کا ساتھی بیل، دونوں مطمئن ہیں،
چاند کی چاندنی میں لدے پھدے سفید بادل اپنا منور اور روشن پرتو
زمین پر ڈال رہے ہیں، سفید بادل اور چاند کی خنک چاندنی
اپنی اپنی طبعی خصوصیت کے مطابق جلوہ فگن ہے

چاند

جوان ختم، چرواہا، اپنے وقت کا حاکم مطلق
تن تنہا بدلی کی شکل میں جلوہ فرما ہے
پہاڑ کی چوٹی پر جھوم جھوم کر، دھیرے دھیرے جھنڈی ہلا کر
تالیاں بجا کر، مسرت اور شادمانی کے گیت چاند کی چاندنی میں گا رہا ہے
مگر ہوشیار ایک آخری دیوار اس کی منزل مقصود کی راہ میں ابھی حائل ہے

نروان

چرواہا اور حیوان دونوں ناپید! بے نشان اور بے مکان
روشن چاند کی چاندنی سراب ہے اور اسی طرح اُس کا سایہ بھی
(جو دس ہزار مخلوق کو دامن میں سمیٹے ہوئے ہے) خواب ہی خواب ہے،
اگر کوئی تم سے اس کے معنی پوچھے تو اُس سے کہہ دو
"کشت زعفران، اُس کی تازہ، سہاونی اور معطر روش کو دیکھ"

حضور دیکھئے، آخری سطر میں کتنے حسین خیالات کو کتنے حسین ترین الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ نگاہیں چکا چوند ہو جاتی ہیں اور دماغ معطر، اسی کو سحر اور جادو بلکہ معجزہ کہتے ہیں،

حضور، قلم رک گیا، قرآن شریف کی حسین و جمیل آیت سامنے آگئی، جی

نہیں چاہتا کہ سنائے بغیر آگے بڑھوں، وہی مضمون ہے مگر کتنے مختصر اور موثر انداز میں فرمایا ہے:-

"اے روح مطمئن اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا! تو اس سے خوش وہ تجھ سے خوش، پھر میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا، اور میرے بہشت میں سکونت اختیار کر"

حضور، ملاحظہ فرمائیے، یہ بھی تو "نروان" ہی ہے،

امرت سر کب تشریف لا رہے ہیں، مطلع فرمائیے؟ سردی کافی ہو رہی ہے اور آسمان ابر آلود رہتا ہے اور سب خیریت ہے،

خاکسار

برہم ناتھ دت

مرزا شجاع شیون کے نام

(۱)

امرتسر

۱۱ اپریل ۱۹۲۷ء

پیارے بھائی

غالبؔ کی ولایت پر جو شک کرے کافر ہے۔ بات یوں بنی کہ مرحوم نے "گل" کی ردیف میں ایک غزل کہی، جس میں، ہائے، نوائے، پائے، سائے، ادائے فضائے، قبائے، کے قافیوں میں طبع آزمائی کی لیکن بجائے، ماجرائے، نمائے، اٹھائے، خوں بہائے، کھلائے کے قافیے کہ مشکل تھے، میرے لئے چھوڑ دیئے، کہ انہیں پیش از وقت میرے آنے کی بشارت مل چکی تھی،

اس وعدہ اور پیش گوئی کی تکمیل میں، میں نے سات شعر کی ایک غزل کہی۔ ان شعروں کو غالبؔ کی غزل میں کھپا دو اور ایک مکمل غزل بنا لو۔ ان میں سے بغیر رو رعایت بسات دل پسند اور نادر شعر چن لو، تم کو میرے ہی شعر چنیں گے، تاہم اعتراف کرتا ہوں کہ غالبؔ اگر غالب ہے تو قاصرؔ کو بھی حقیقی معنی میں قاصر ہونے سے انکار نہیں۔

فصلِ بہار میں ہے یہ نشو و نمائے گل یکساں بندھی ہے دشت و چمن میں ہوائے گل

وہ بلبلِ حزیں ہوں جسے باغِ دہر میں
داغِ جگر ہوئے ہوں عنایت بجائے گل

آنکھیں مری کھلی ہیں اسیری میں ہم صفیر
کنجِ قفس میں خاک کہوں ماجرائے گل

ہے موسمِ بہار عجب وحشت آفریں
جوشِ جنوں سے چاک ہوئی ہے قبائے گل

جائے وہ رشکِ باغ جو گل گشت کے لئے
شرمندگی سے سر نہ چمن میں اٹھائے گل

جو برگ ہائے زرد ہیں سکّے طلائے ہیں
بادِ خزاں نے خوب دیا خوں بہائے گل

لکھے ہیں وصف کیا رخِ رنگینِ یار کے
قاصر ترے قلم نے سراسر کھلائے گل

تمہید صرف دل لگی تھی، کہاں غالب اور کہاں قاصر، چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک
" استاد مرحوم کا شعر لکھتا ہوں اور غالب کی قبر کا تصور کر کے سرِ عجز و نیاز خم کرتا ہوں

طغرائی و دعوائے ہم آہنگیٔ غالب
بالعل خزف ریزہ برابر نتواں گفت

اگر مناسب سمجھو تو صرف غزل آئندہ شمارے میں شائع کر دینا، باقی خرافات صرف تمہارے لئے ہیں۔

تمہارا بھائی

برہم ناتھ دت

(۲)

امرت سر

۳ ستمبر ۱۹۲۸ء

عزیز من،

غالب کے مُنہ آنے کی کوشش کی گئی ہے، ناکام رہا ہوں، یا کامیاب اس کا فیصلہ تم پر ہے، بہرحال غزل ارسال ہے، اگر مناسب سمجھو تو اگلے شمارے میں شائع کردو، ورنہ ضائع کر دو، غالب کی غزل کے سب قافیے حسب معمول چھوڑ دیے گئے ہیں، ان میں خاطر خواہ کچھ بن نہ پڑا، ہاں "پنہاں" کے قافیے میں کچھ ڈال دلیا ہو گیا ہے، سو لکھ دیا، کیسا ہے تم جانو، تمھارے دوست اختر شیرانی انارکلی بازار میں کل ملے تھے، تمھارے متعلق پوچھتے تھے، میں نے کہا اچھے ہیں، حافظ کے اس شعر

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل ست

صراحی مے ناب وسفینۂ غزل ست

کے مصرع ثانی کا نصف اول، وقفِ کام و دہن ہے اور نصف آخر، وردِ زبان سُن کر بہت خوش ہوئے اور بغل گیر ہو گئے۔

اب غزل سُن لیجئے۔

اگر دل خوں نہ ہو تو دیدۂ تر خوں فشاں کیوں ہو

نہ ہو گر خونِ دل پانی تو آنکھوں سے رواں کیوں ہو

زمانے بھر کے قاتل ہو مگر اس پر یہ حیرت ہے
کہ تم مشہورِ عالم میں مسیحائے زماں کیوں ہو
جو بچپن ہی میں مرجاتے کسی پر مر کے کیوں مرتے
جوانی موت ہو جس کی وہ بدقسمت جواں کیوں ہو
سُراغ اُن کا اگر پاؤں تو اُن سے اس قدر پوچھوں
نہاں ہو کر عیاں کیوں ہو، عیاں ہو کر نہاں کیوں ہو
کھلا دے گر نہ سُرمہ تیرہ بختی اُن کی محفل میں
کوئی مُنہ میں زباں رکھتے ہوئے یوں بے زباں کیوں ہو
توقع خاک ہو سکتی ہمیں چشمِ عنایت کی
کسی نے اُن کی محفل میں نہ پوچھا تم یہاں کیوں ہو
اگر دعویٰ ہے الفت کا سبب اُس کا کہو قاصر
جو ہو تم عاشقِ صادق تو یہ آہ و فغاں کیوں ہو،

سرداری لال خاؔدر کی نظم اس شمارہ میں آجانی چاہیئے، وہ خفا ہو رہے ہیں اور کتابت کا بھی خیال رکھئے! میں سات آٹھ دن کے لئے گاؤں جا رہا ہوں، اس لئے آئندہ ملاقات واپسی کے بعد ہی ہوگی، میرا پتا یہ ہوگا۔

برہم ناتھ دت ڈیرہ دتاں تحصیل شکر گڑھ

تمہارا بھائی
برہم ناتھ دت

جناب مولراج کواترہ صاحب ناصرؔ کے نام

(۱)

امرت سر

۱۳ جون ۱۹۵۶ء

پیارے بھائی،

لالہ نند لال کی وفات کی رُوح فرسا خبر، رنج و ملال کا باعث ہوئی، میں اس الم ناک سانحہ اور غم آفریں حادثہ میں تمہارا شریک ہوں، موت ایک لازمی چیز ہے، انبیا، اولیا، اتقیا، اصفیا، اوتار سب موت آشنا ہوئے۔ موت کی دست بُرد سے کون بچ سکا ہے!

یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ ہر سود میں خوشی اور ہر زیاں میں غم محسوس کرتا ہے، اسی لئے نئے جنم پر شیرینی بانٹتا ہے اور حادثۂ مرگ پر سر پیٹتا ہے، بھائی کا مرنا ایک قہر الٰہی ہے، تمہارا رونا دھونا، آہ و زاری بجا ہیں کیوں کر اور کس مُنہ سے کہوں کہ آنسو پونچھو اور صبر کرو،

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو رونا ہے کچھ ہنسی نہیں ہے

دنیوی تعلقات میں ماں باپ برگزیدہ اور قابلِ تعظیم ہیں کہ تمہاری تخلیق کا باعث ہیں اور تمہاری نمود میں برابر کے حصہ دار، دوست، یار، بیوی، مفاد، ماحول اور

خیالات کی موافقت کی پیداوار ہیں اور بس! مفاد کا ٹکراؤ، ماحول کی تبدیلی، خیالات کا اختلاف، تعلقات کے بندھن کو توڑ دیتا ہے، مگر تمہارا بھائی، اُسی آب و گل سے عالمِ وجود میں آیا، جس سے تمہاری اپنی تخلیق ہوئی، تم دونوں بھائیوں کی ولادت ایک ہی ماں باپ کے خون کی آمیزش اور ایک ہی مٹی کے پیوند سے ہے اور تمہارے ماں باپ تمہارے وجود میں یک جا اور ہم آہنگ ہو گئے ہیں، تم اپنے ماں باپ کے مظہرِ حقیقی ہو، دونوں ہم زاد، دونوں ایک ہی جوہر کا ظہور، ایک ہی مجموعۂ عناصر کی ترکیب، وہی خون، وہی گوشت پوست وہی خد و خال، وہی رنگ ڈھنگ چال ڈھال پھر تم دونوں کو جدا جدا کون کہے، مرگ باشی تمہارے قالب میں زندہ ہے، خدا تمہاری عمر دراز کرے، غم واندوہ چھوڑ دو،

خیر اندیش
برہم ناتھ دت

(۲)

امرت سر

۲۶ اپریل ۱۹۵۹ء

بوڑھے میاں!

یہ مت سمجھو کہ بوڑھے دنیا میں بالکل ناکارہ اور بے کار چیز ہیں، جوانی دیوانی ہے، بوڑھاپا سنجیدہ اور متین! دانائی اور فراست عمر اور تجربہ ہی سے آتی ہے،

صندل کا درخت بوڑھا ہونے ہی پر ارد گرد کے درختوں کو خوش بو دار کر سکتا ہے اور مرجھائے ہوئے پھولوں ہی سے "روح گلاب" کشید ہوتا ہے۔

آج سے پہلے بھی بوڑھے، تمہاری طرح اپنے آپ کو بے کار اور بے مصرف سمجھتے تھے، مگر ہومر جو ۸۰۰ ق م پیدا ہوا اور دنیا کا عظیم ترین شاعر مانا جاتا ہے، اپنی شہرۂ آفاق تصنیف اوڈیسس میں ایک بوڑھے کی زبان سے دوسرے بوڑھے کو یوں مخاطب کرتا ہے:۔

"میں اور تم دونوں بوڑھے ہو گئے ہیں
"بڑھاپا بھی زینت اور وقار کا حامل ہوتا ہے
ہر چند موت جدوجہد کا دروازہ بند کر دیتی ہے
مگر آؤ، ہم تم یہ دروازہ بند ہونے سے پہلے ہی کوئی نیک کام کر چلیں"

سو آؤ، ہم تم بھی زندگی کا نیا ورق الٹ لیں اور نیک کاموں کی طرف راغب ہو جائیں تاکہ ہمارا تمھارا بڑھاپا بھی کار آمد چیز بن جائے،

خیرے کن اے فلاں وغنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

چہرے کو جھریوں کے زنگ سے صاف کرنا تو اپنے بس کی بات نہیں البتہ دل کو آلائیشوں سے ضرور صاف کر سکتے ہیں۔

گر ترا حق آفریدہ زشت رو
تو مشو ہم زشت رو، ہم زشت خو

تاریخ عالم میں بوڑھوں نے بھی بڑے بڑے کام کئے ہیں، ہرمن رک[1] نے ۸۰ برس کی عمر میں اپنی فتوحات کا آغاز کیا اور ۱۰۴ برس کی عمر تک فتوحات پر فتوحات حاصل کرتا رہا، چورآرس[2] ۸۰ برس کی عمر میں ہراکلس[3] سے برسر پیکار رہا اور کاربوگل[4] نے ۹۴ برس کی عمر میں پیرو کی بغاوت کی راہ نمائی کی اور ہمارے ہاں سرسید مہاتما گاندھی، اور قائد اعظم جناح نے بڑھاپے ہی میں قوم اور ملک کی دستگیری کی۔

یہ نہ سوچو، کہ زندگی کے آخری سانس ہیں، اب کیا بنے گا؟ مارنگو کی جنگ میں آسٹرین فوجوں نے فرانسیسیوں کو شکست فاش دی اور فتح کے شادیانے بھی بجا دیے، نامہ بر نے جب یہ منحوس خبر نپولین کو سنائی تو اُس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی، اُس وقت تین بج چکے تھے، فوراً کہا "دشمن پر فتح پانے کے لئے ابھی ہمارے پاس کافی وقت ہے، اکٹھے ہو کر حملہ کر دو" اور چھ بجے تک فرانسیسی یہ جنگ جیت چکے تھے،

بوڑھاپے کو کارآمد اور مفید بنانے کے لئے ہمارے ملک میں یہ دستور تھا کہ ۵۰ برس کے بعد گھر گھاٹ چھوڑ کر لوگ بان پرست اختیار کر لیتے تھے اور ۷۵ برس کی عمر میں سنیاسی بن جاتے تھے اور اپنی زندگی کو رفاہ عام کے کاموں میں لگا دیتے تھے، آؤ اس کہنہ اور فراموش شدہ رسم کی تجدید کریں۔

جواب کا طالب

بمہم ناتھ دت

---

[1] HERMENRIK
[2] CHROAROS
[3] HERACLUS
[4] CARBOGAL

ڈاکٹر غلام حسن کے نام

(۱)

ویرم دتاں
۱۳ مئی ۱۹۴۶ء

پیارے بھائی۔

تم نے مجھے لڑکے کے متعلق مبارک باد دی۔ میں جواب میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں یہ بھی ایک رسم تھی، چلو پوری ہو گئی، مگر بھائی مبارک باد کے مستحق وہ نہیں ہیں جن کے ہاں لڑکا پیدا ہوا، یا جو مقدمہ جیت گئے یا جنھیں دولت ہاتھ لگ گئی، یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے، جب تک تندرست مرد اور عورتیں موجود ہیں، افزائشِ نسل ہوتی رہے گی، یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں!

یہود اور مبارک | خروج مقدس کے مطابق مبارک باد کے اصل مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو (۱) اپنے ماں باپ کی عزت کرتے ہیں (۲) خون نہیں بہاتے (۳) زنا نہیں کرتے (۴) چوری نہیں کرتے (۵) اپنے پڑوسی کے برخلاف جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور (۶) اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہیں کرتے، نہ اُس کے غلام کا، نہ اُس کی لونڈی کا، نہ اُس کے بیل گدھے کا اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا۔

عیسائی اور مبارک | انجیل مقدس (لوقا) کے مطابق مبارک وہ لوگ ہیں، جو (۱) صابر

ہیں (۲) حلیم ہیں (۳) راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں (۴) رحم دل ہیں
(۵) پاک دل ہیں (۶) صلح پسند اور صلح جو ہیں (۷) اور راست بازی کے ستائے
ہوئے ہیں،

ہندو اور مبارک | ہندو شاستروں کے مطابق مبارک وہ ہیں جو (۱) زنا نہیں کرتے
(۲) غصے میں نہیں آتے (۳) طامع نہیں ہیں (۴) دنیاوی آلائشوں میں نہیں پھنستے
اور (۵) غرور اور گھمنڈ سے ناآشنا ہیں۔

بدھ اور مبارک | بدھ گرنتھوں کے مطابق مبارک ہونے کا استحقاق اُن کو ہے۔ جو
(۱) نہ صرف کسی ذی روح کو نہیں مارتے بلکہ مارنے کے خیال تک کو بھی ذہن میں
نہیں لاتے (۲) چوری نہیں کرتے بلکہ چوری کرنے کے خیال تک کو بھی دل میں نہیں
لاتے (۳) جھوٹ نہیں بولتے بلکہ جھوٹ کے خیال تک کو بھی ذہن میں نہیں لاتے
(۴) عیش و عشرت کے لئے دولت اکٹھی نہیں کرتے بلکہ اس غرض کے لئے دولت
اکٹھا کرنے کے خیال تک کو بھی ذہن میں نہیں لاتے (۵) ناانصافی کے مرتکب
نہیں ہوتے بلکہ ناانصافی کے خیال تک کو بھی ذہن میں نہیں لاتے (۶) غلط روی
نہیں کرتے بلکہ اس کی وجہ سے غلط روی کے خیال تک کو بھی ذہن میں نہیں لاتے
اور (۷) ڈر کی وجہ سے غلط روی نہیں کرتے بلکہ اس کی وجہ سے غلط روی کے خیال
تک کو بھی ذہن میں نہیں لاتے۔

جین اور مبارک | جین گرنتھوں کے مطابق مبارک کے مستحق وہ ہیں جو (۱) جانداروں
کو چاہے وہ کثیف ہوں یا رکیک، چاہے وہ جامد ہوں یا متحرک مارنے کے خیال

تک کو کبھی دل میں نہیں لاتے، نہ مارتے ہیں نہ مارنے کی ترغیب و تحریک کرتے ہیں اور نہ پسندیدگی کا اظہار، خیال، قول اور عمل سے، (۲) دروغ بافی کی ذلّت سے پرہیز کرتے ہیں، چاہے وجہ غصّہ ہو یا لالچ، ڈر ہو یا مذاق، نہ خود جھوٹ بولتے ہیں نہ جھوٹ کی ترغیب و تحریک کرتے ہیں، نہ اظہار پسندیدگی! خیال قول اور عمل سے (۳) چوری سے پرہیز کرتے ہیں، چاہے گاؤں میں ہو، یا شہر میں، جنگل میں ہو، یا بیابان میں، تھوڑی ہو یا زیادہ، چھوٹی چیز کی ہو یا بڑی کی، زندہ چیز کی ہو یا مردہ کی، نہ چوری خود کرتے ہیں، نہ ترغیب دیتے ہیں، نہ پسندیدگی کا اظہار، خیال، قول اور عمل سے (۴) ہر طرح کی دل بستگیوں سے بچے رہتے ہیں، چاہے وہ کم ہوں یا زیادہ، چھوٹی ہوں یا بڑی، زندوں کے لئے ہوں یا مردوں کے لئے، نہ خود مبتلا ہوتے ہیں، نہ ترغیب دیتے ہیں اور نہ پسندیدگی کا اظہار، خیال، قول اور عمل سے (۵) زنا سے پرہیز کرتے ہیں، چاہے وہ عورت کے ساتھ ہو یا مرد کے ساتھ یا حیوان کے ساتھ، نہ خود زنا کرتے ہیں، نہ ترغیب و تحریک کرتے ہیں، نہ پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں، خیال، قول، اور عمل سے،

پارسی اور مبارک | پارسیوں کی کتابوں کے مطابق "مبارک" کے مستحق وہ ہیں جو (۱) نیک شہرت اور نیک نامی کو مقدم جانتے ہیں (۲) بد اطواری اور بدنامی سے بچتے ہیں، علم سے چھڑی چھین کر اس کو زدوکوب نہیں کرتے اور نہ اُس کے متعلق ایسی باتیں بناتے ہیں جو اُس کی توہین اور بے عزتی کا باعث ہوں (۳) اُستاد سے حاصل کردہ علم کو مستحق لوگوں میں بانٹ دیتے ہیں تاکہ لیا ہوا قرض اُتر سکے۔

(۵) سزا اور جزا کا قانون اٹل ہے، برائی سے بچتے اور نیکی کی طرف راغب رہتے ہیں (۶) شیطان کو غالب نہیں آنے دیتے اور اُس کو مغلوب رکھنے کے لئے بدیوں سے دور رہتے ہیں اور گناہوں سے فوراً تائب ہو جاتے ہیں (۷) مذہب کی ترقی پسند راہوں کو کشادہ اور ہموار رکھتے ہیں اور ادائے فرض کو مقدم سمجھتے ہیں (۸) مذہبی راہبروں کا احترام کرتے ہیں اور اُن کے احکام کی تعمیل۔

اسلام اور مبارک "مبارک" عربی زبان کا لفظ ہے، اس کی اصل برک یا برکت ہے، اس کے معنی ہیں، بلندی، مرتبہ، مسرت، زیادتی، بہتات، سعادت اور نمو، قرآن میں اس کا استعمال کئی صورتوں میں ہوا ہے، بارک، بارکنا، بورک، تبارک، برکات، مبارک، مبارکہ قرآن کے مطابق کیا ہے (۱) اللہ نے زمین کو مبارک بنایا جس میں ضرورت مندوں کی ضرورت کی چیزیں (معاون) درخت، پھل، اناج، حیوانات وغیرہ) مہیا کر دیں (۲) بدعمل فرعونیوں کو غرقِ دریا کرنے کے بعد ہم نے محکوم و مغلوب اسرائیلیوں کو ارض مبارک کے مشرق و مغرب کا وارث کر دیا (یعنی پیداوار کی کثرت والی زمین جس میں نیکی کی تعلیم دینے والے پیغمبر بکثرت پیدا ہوئے، ظاہر و باطن ہر لحاظ سے مبارک (۳) مبارک ہے اللہ تمام دنیاؤں کا پروردگار (۴) مبارک ہے وہ ذات مقدس جس نے آسمان پر بڑے بڑے ستارے بنائے اور خورشید اور چاند بنایا (۵) مبارک ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے پر ایسی کتاب نازل فرمائی جو تمام دنیا کو بداعمالیوں کے انجام سے خوف دلانے والی ہے، (۶) مبارک ہے نام پروردگار کا جو صاحبِ جلال و اکرام ہے (۷) مبارک ہے یہ

کتاب (قرآن) جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے (۸) مبارک ہے وہ پہلا معبد (کعبہ) جو مکے میں امن و ہدایت کی عام اشاعت کے لئے بنایا گیا (۹) (مسیح کی زبان سے) مجھے خدا نے مبارک بنایا، جہاں بھی میں رہوں یعنی نیک اور نیکی کا مبلغ، (۱۰) (نوح کشتی سے اترتے وقت) اے میرے رب مجھ کو مبارک اُتارنا، اُتاریو، اور تو بہتر اُتارنے والا ہے (۱۱) اور ہم نے آسمان سے مبارک پانی اُتارا پھر ہم نے اس سے بہت سے باغ اُگائے اور کھیتی کا اناج اور لمبے لمبے کھجور کے درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہوتے ہیں، (۱۲) ہم نے قرآن کو مبارک رات میں اتارا (۱۳) وادیٔ ایمن کے مبارک مقام میں موسیٰ نے پہلی ربانی آواز سُنی کہ "اے موسیٰ میں ہوں، اللہ تمام جہانوں کا پروردگار، (۱۴) اپنے گھروں میں داخل ہوتے وقت لوگوں کو سلام کر لیا کرو یہ خدا کی طرف سے بطور دعا مقرر ہے، اور مبارک اور پاکیزہ ہے۔ بھائی دیکھنا، "مبارک" کی وسعتیں کہاں سے کہاں تک پہنچ رہی ہیں، خدائے مبارک سے لے کر ہر اُس شخص، جگہ اور وقت اور چیز تک جو کسی نہ کسی جہت سے انسان کے لئے نفع بخش ہے، اور اس کو گناہوں سے بیزار اور نیکیوں کی طرف راغب کرتا ہے،

دیکھنا بھائی، یہ احکام و اقوال ہیں اُن عظیم الشان مذاہب کے جنھوں نے ہم کو حیوان سے انسان بنایا، نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی صلاحیت دی، دیکھنا ذرا غور سے دیکھنا، ان مبارک احکام و اقوال میں ولادت فرزند کا بھی کہیں ذکر ہے، پھر یہ پیدائش کون سی معرکہ کی بات ہے کہ تم مبارک باد کہہ رہے ہو، جبل کے

زندانی، چور، ڈاکو، اُچکّے، راہزن، ٹھگ، غدّار، تنگ خیال فرقہ پرست، مذہبی جنونی جب پیدا ہوئے تھے، تو اُن کے لواحقین نے اُن کی پیدائش پر مبارک سلامت کی دعائیں پڑھی تھیں، شادیانوں اور ڈھول ڈھکے سے خوشی کا اظہار کیا تھا، شیرینیاں بانٹی تھیں مگر بتاؤ یہ نامبارک اور ناتراشیدہ انسان، ننگ انسانیت کس مبارک باد کے مستحق ہیں؟

زنان باردار اے مردِ ہشیار — اگر وقت ولادت مار زائند
ازاں بہتر بہ نزدیک خردمند — کہ فرزندان ناہموار زائند

بھائی تم نے دعا دی ہوتی کہ نووارد نیکیوں اور خوبیوں کا حامل بنے، وطن اور قوم کا سپوت ثابت ہو، بنی نوع انسان کے کام آئے اور خیر کا باعث ہو، اگر وہ اپنی حیات میں اپنے قول و فعل سے اس ترازو پر پورا اترا تو پھر میں تمہاری مبارک باد قبول کر لوں گا اور تمہارا منہ کھانڈ سے بھر دوں گا۔ والسلام

برہم ناتھ دت

(۲)

امرت سر

۲۳ فروری ۱۹۴۸ء

برادرم۔ بیوی کی وفات پر نکاح ثانی سے میرا فرار تمہاری نگاہ میں بڑا ایثار ہے مگر میرے خیال میں یہ میری مجبوری و معذوری ہے، اگر حالات

سازگار ہوتے تو ممکن تھا کہ میں دوسری بار پھر پھنس جاتا۔

کہتے ہیں غیر شادی شدہ آدمی پاک دامن نہیں رہ سکتا، اگر یہ نظریہ غلط ہو تو بھی اس سے کون انکار کرے گا کہ رنڈوا اپنی نیک نہادی کے باوجود لوگوں کی بدگمانی اور بہتان تراشی کا شکار بنا رہتا ہے اور ناگفتنی باتوں کا نشانہ! وہ بیچارہ شفقت اور ہمدردی کا مستحق ہوتا ہے مگر لوگ اسے دُکھ پہنچاتے ہیں اور جانثاری کو بھی معاف نہیں کرتے، ازدواجی زندگی کی ناکامیوں اور تلخیوں کا بہتان گھڑ کر اس کی ذمہ داریاں مرنے والی پر ڈال دیتے ہیں اور اسی کو نکاح ثانی سے بیزاری کی وجہ ظاہر کرتے ہیں۔

آخر آخر اپنی حالت پر ہنسی آنے لگی
پہلے پہلے تو غمِ دل پر بہت روئے تھے ہم

تم نے ایثار کا ذکر کیا ہے، یہ کوئی انوکھی چیز نہیں ہے، ماں اور بچہ، تعشق اور دوستی، غرضیکہ جہاں ایک آدمی کو دوسرے آدمی سے واسطہ پڑتا ہے، ایثار جزوِ زندگی بنا ہوا ہے۔ ع

"جیسے کوئی شراب ملا دے شراب میں"

سماج کا پہلا بندھن شادی ہے، اس کے بعد بچے۔ پھر سارا کنبہ اور پھر مشترکہ سود و زیاں، میں بیاہا گیا، بیوی نیکیوں اور خوبیوں کا مرقع تھی، تین بچے ہیں، سعادت مند اور نیک کردار، میں کنبے کا سردار ہوں، اُن کے دکھ سکھ کا حصہ دار، بیوی کا مرنا حکمت الٰہی تھی، مگر مسرتوں اور رعنائیوں سے پُر اُس کی یادیں میرے

ساتھ ہیں، اُس کے بچوں کا مفاد میرے پیش نظر ہے، پھر بتاؤ، مجھے یہ فرصت کہاں کہ نئی ذمہ داریوں کا بار اپنے سر لوں اور نئی اولاد کی امید میں، موجودہ اولاد کی وفاداریوں سے محروم ہو بیٹھوں؟ اب زندگی اُن سے آگے بڑھے گی ہم محض تماشائی ہوں گے، اُن کی اپنی کارکردگی ہی اُن کو بلند کرے گی، ہاں ہماری نیک دعائیں اور خیر سگالی کے جذبات بہر حال اُن کے ساتھ ہوں گے اگرچہ ہمارے قدم اُن کے ساتھ ساتھ نہ چل سکیں گے۔ والسلام

تمھارا بھائی

برہم ناتھ دت

(۳)

امرت سر

۲۳ اکتوبر ۱۹۵۹ء

لو بھائی، مبارک ہو، ہمارے اس شعر کی

انسان کا دل قاصر ہے صورتِ آئینہ
اچھے کو ہر اک انساں اچھا نظر آتا ہے

انگریزی نظم میں تفسیر چھپ گئی اور ہمیں "ہمہ دانی" کی سند مل گئی، کہ گورے نے کالے کی بات کو اپنا لیا، تم پر واجب اور ضروری ہے کہ اس کو اچھالو،

پاکستانی اخبارات میں اعلان چھپوا دو، چاہے اجڑتا، یہ "اُٹھانے" اور "اڑانے" کا موقع ہاتھ سے نکلنے نہ پائے بھائی، نہیں مانو، خالی خولی باتوں سے تمھیں خوش کر دیا، مقصد صرف یہ ہے کہ ایک اچھی بات دیکھی اور تم کو بتا دی، اپنا ذکر بھی، اس بے اصل اور بے محل تمہید میں ٹھونس دیا۔ اب کام کی بات سنو، عنوان ہے اس نظم کا "مردِ دانا نے کہا" لکھنے والے ہیں " ایڈون مارکہم"، گھبراؤ نہیں، "دانت نکالنے" یا "دانت دکھانے" کی بات نہیں،

ایک مردِ دانا کھجور کے سائے تلے دھوپ کھا رہا تھا
دوپہر کے وقت ایک مسافر ستانے کے لئے اُس کے پاس ٹھہر گیا
اور پوچھا "اس بڑے اور وسیع شہر میں
کس قماش کے لوگ بستے ہیں؟"
مردِ دانا نے پوچھا "اے دوست، جس شہر سے تو آیا ہے
وہاں کس قماش کے لوگ بستے ہیں، مجھے بتا!"
کس قماش کے؟ اس نے ناک بھویں چڑھا کر کہا
"احمق اور بدمعاش"
"تو یہاں بھی تمھیں اسی قماش کے لوگوں سے پالا پڑے گا"، مردِ دانا نے کہا،
شام کے دھندلکے میں ایک اور مسافر اُس مردِ دانا کے پاس آیا
اور سلام دعا کے بعد اُس کے پاس بیٹھ گیا، اور پوچھا

"اس منور اور اونچے مناروں والے شہر میں

کس طرح کے لوگ بستے ہیں ؟"

مرد دانا نے پوچھا ، " اے مہربان ، جس شہر سے تو آیا ہے ،

وہاں کس طرح کے لوگ بستے ہیں ، مجھے بتا ؟"

کس طرح کے ؟ اُس نے مسکرا کر کہا ،

"نیک ، دانا اور نفیس طبع !"

تم کو یہاں بھی ویسے ہی لوگ ملیں گے" ، مرد دانا نے کہا

سو بھائی ، بات اصل یہ ہے کہ بد ، بدی کی طرف بھاگتے ہیں ، اگر تو بہ ، ہم یہ کیوں کہیں ، مفت کی بُرائی مول لیں ، کیوں نہ کہیں ع

اچھے کو ہر اک انسان اچھا نظر آتا ہے

آؤ خود بھی اچھا بننے کی کوشش کریں ۔ والسلام

نیاز مند

برہم ناتھ دت

ڈاکٹر احمد حسن کے نام

(۱)

امرت سر

۱۷ جون ۱۹۵۵ء

جانِ عم۔

اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ ہمارے ہاں شادی عشق و تعشق کا مظاہرہ نہیں بلکہ ایک فریضہ ہے، اسی لئے انتخاب والدین کے ذمہ ہوتا ہے اور جب دلھن آتی ہے تو ساس اُسے اپنی بیٹی بنالیتی ہے، اور وہ ساس کو اپنی ماں، اس میں قانون کو کوئی دخل نہیں، اور نہ اس میں "ان لاز" کی گردان ہے یہ ماں اور بیٹی کا معاملہ بن جاتا ہے،

شادی کا ہوس ناکی سے بھی کوئی تعلق نہیں، یہ ایک نہ ٹوٹنے والا متبرک بندھن ہے اور انجیل مقدس کے مطابق وہ نہیں ٹوٹ سکتا سوائے حرام کاری کے" اور میں تمھیں بتاؤں، بیویاں حرام کار نہیں ہوتیں، اس تعلق سے بیوی تمھارے والدین کی بیٹی بن جاتی ہے، تمھارے بھائی بہنوں کی بہن، تمھاری اولاد کی ماں، تمھاری عزت و ناموس، تمھارے گھر کی ملکہ اور تمھارے دکھ سکھ کی شریک۔

حسن، تناسب اعضا، جوانی اچھی چیزیں ہیں انھیں بُرا کون کہے گا۔ مگر یہی

IN LAWS ۱؎

ناپائیدار اور ان کے بگڑنے کا احتمال ہر وقت موجود ہے، ناک کی خفیف سی چوٹ، چیچک کے چند داغ، ہلکا سا بخار، یا زکام، ان کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہے مگر محبت کی بنیادیں اگر اعتقاد، احترام اور رشتۂ نکاح کی پاکیزگی (جس کے شاہدوں میں خدا بھی ہوتا ہے) پر قائم کرلو، تو زندگی کا بڑے سے بڑا طوفان بھی تمھارا کچھ بگاڑ نہ سکے گا، کیونکہ مصیبت میں تم ایک دوسرے کے نزدیک ہو جاؤ گے، تم اُس کی آسودگی چاہو گے اور وہ تمھاری راحت - اور تمھاری زندگیاں ایک طرح کی "نذر نیاز" بن جائیں گی ایک دوسرے کے لئے تمھارے لب بند ہو جائیں گے اور تمھارے دل کے کواڑ کھل جائیں گے،

محبت بڑا پاک جذبہ ہے، کتابوں، اخباروں، آئینے کی پشت، سنگ وخشت اور خطبوں کی شکل میں اس کا اظہار، اُس کی رسوائی ہے، یہ بازاری اور اخباری مظاہرے مناسب نہیں، اس کو دل کی زینت بناؤ،

میں تم کو ایک بات اور بتاؤں، بیوی اپنے سکھ کے لئے لائی جاتی ہے، دوسروں کی خوشنودئ طبع یا ستائش کے لئے نہیں وہ شمع خانہ ہونی چاہئے، شمع محفل نہیں، اُس کی دلچسپیاں اور خانہ داری تک محدود رہنی چاہئیں، اسے بڑے کام کرنے ہیں، اولاد کی نگہبانی، اُن کو نیک اطواری اور دین داری کی طرف راغب کرنا، تندرستی کے اصول بتانا، حب الوطنی کا درس دینا اور نیک انسان بنانا، کیا یہ چھوٹی باتیں ہیں؟ زیبائش اور آرائش تو ظاہری ٹیپ ٹاپ کا دوسرا نام ہے، اس سے کیا فائدہ! اپنی بیوی کو سلام کہنا اور بچّوں کو دیدہ بوسی

دعاگو   برہم ناتھ دت

(۲)

امرت سر
۲۳ مئی ۱۹۵۷ء

برخوردار!

توحید کے متعلق اگر کسی مذہبی پیشوا یا مبلغ سے پوچھا ہوتا تو بہتر تھا، وہ کوئی مستند نظریہ پیش کرتا، میں تو پڑھی پڑھائی سنی سنائی بات ہی کہہ سکتا ہوں، سو سُن لو شاید اس سے تمھاری کچھ تسلّی ہو جائے۔

یونانی، مصری، اہل بابل، اہل روما، اہل ہند عناصر اور اپنے بزرگوں کی جنھیں انھوں نے اپنا دیوتا بنالیا تھا) پوجا کیا کرتے تھے، ہندوؤں میں توحید کا ذکر برہدارنیک اُپ نشد ادھیائے تین برہمن نو میں آیا ہے، پوچھا گیا کہ خدا کتنے ہیں؟ بتایا گیا کہ تین اور تین سو، تین اور تین ہزار، مکرر پوچھا گیا کہ کتنے ہیں. بتایا گیا کہ تینتیس ۳۳ ہیں، سہ کرر پوچھنے پر چھ اور پھر پوچھنے پر پہلے تین اور پھر ۱½ اور آخر میں ایک کہا گیا ہے، پوچھا گیا کہ وہ تین اور تین سو، تین اور تین ہزار کیا ہوئے، جواب ملتا ہے کہ وہ تو صفات تھیں، خدا تو صرف ایک ہی ہے،

ہندوؤں میں اہم برہم (ہمہ اوست) کا نظریہ بعد کی پیداوار ہے، اپ نشدوں میں اُس کی تائید سوی کیتو اور اُس کے باپ کے مکالمے اور میتریئی اور اس کے خاوند کے سوال و جواب میں ملتی ہے، دلیل دی گئی ہے کہ مٹی

سے سینکڑوں قسم کے برتن بنتے ہیں اور مختلف ناموں سے پکارے جاتے ہیں ، مٹی حقیقت ہے اور نام غیر حقیقی ، سونے کے زیوروں کو مختلف نام دئے جاتے ہیں ، سونا حقیقت ہے اور نام غیر حقیقی ، ذات کل ایک ہے ، چاہے کسی نام سے پکارو ، ذاتِ کل ایک ہی رہے گی ، بقول غالب

ہے مشتمل نمودِ صُور پر وجود بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

جلتی آگ کا جبلی رنگ سُرخ ہے سفید رنگ پانی کا رنگ ہے ، سیاہ زمین کا ، حقیقی چیز تو رنگ ہے ، آگ غیر حقیقی ہے ، سورج کا سُرخ رنگ آگ کا رنگ ہے ، سفید پانی کا ، سیاہ مٹی کا ، سورج غیر حقیقی ہے ، حقیقت صرف رنگ ہی ہے ، مکھیاں مختلف درختوں ، بوٹیوں اور پھولوں سے شہد اکٹھا کرتی ہیں ، شہد کے اجزا یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کس بوٹی کس پھول ، اور کس درخت سے حاصل کئے گئے ہیں اور اُن کا کون سا جزو کہاں سے آیا ، دریائے گنگا مشرق سے بہتا ہوا سمندر میں گرتا ہے اور دریائے سندھ مغرب کی سمت سے کوئی نہیں بتا سکتا کہ سمندر میں کون سا قطرہ سندھ کا ہے اور کون سا گنگا کا ، سمندر میں گر کر سمندر ہی بن جاتا ہے حق سے نکل کر حق ہی میں سما جاتا ہے ، گولر کو غور سے دیکھو ، ظاہراً اس کے بیج رائی کے دانے کے برابر دکھائی دیں گے مگر اس حقیر سے بیج میں مکمل برگد پوشیدہ ہے ، جڑیں بھی ہیں ، تنا بھی ، ریشہ بھی ہے ، پتے بھی ، پھل بھی ہے اور قوتِ تولید و نمو بھی ،

پارسی دو خداؤں کے وجود کے قائل ہیں، ایک نیکی کا جس کو وہ یزداں کہتے ہیں دوسرا بدی کا، جس کو وہ اہرمن کا نام دیتے ہیں۔

بدھ تو سرے سے خدا کے قائل ہی نہیں ہیں، واست تھا اور گوتم کی بات چیت کا اختتام، تردیدی اور تائیدی دلائل کے بعد یوں ہوتا ہے :۔

گوتم :۔ "تو پھر اے واست تھا، میری ان دلائل سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تینوں ویدوں کے عالم پنڈتوں کا یہ کہنا کہ "خدا بھی کوئی ہے" احمقانہ بات نہیں؟"

واست تھا "ہاں گوتم، ان دلائل کے سننے اور اس بحث کے بعد، نتیجہ تو یہی نکلتا ہے کہ تینوں ویدوں کے عالم پنڈتوں کا یہ قول احمقانہ ہے"

توحید کا خیال پہلے پہل یہودیوں کے ذہن میں آیا، ابتداً اُن کا خدا "جوہوا" جس کے معنی ہیں "میں ہوں جو کہ میں ہوں" صرف ربِ اسرائیل ہی تھا، یہودی اپنے خدا کو "رب العالمین" نہیں کہتے تھے اور نہ دوسری قوموں کے معبودوں کو اپنا معبود مانتے تھے، رُوت کی کہانی میں نعومی اپنی چھوٹی بہو "رُوت" کو کہتی ہے "دیکھ تیری جیٹھانی عابدہ اپنے کنبے اور اپنے خدا کے پاس لوٹ گئی، تو بھی واپس چلی جا، رُوت جواب میں کہتی ہے "میں تمھارے ساتھ جاؤں گی، تمھارے سمبندھی میرے سمبندھی ہوں گے اور تمھارا خدا میرا خدا ہوگا"، بوعزہ جس کے ساتھ رُوت کا نکاح ثانی ہوا تھا، رُوت کو تسلی آمیز الفاظ میں کہتا ہے "خداوند اسرائیل کے خدا کی طرف سے

جن کے پروں کے نیچے تو پناہ لینے آئی ہے، تجھ کو تیرا پورا اجر ملے"

عیسائیوں کا خدا رب العالمین تو ہے اور قادر مطلق بھی، مگر وہ وحدہٗ لاشریک نہیں، اس کے ساتھ اس کا بیٹا اور روح القدس بھی شریکِ کار ہیں، مسلمانوں میں "ہمہ اوست" کا عقیدہ عجمی خیال ہے، عربی نہیں اور ہندوؤں سے لیا گیا ہے، صوفی اس نظریہ کے معتقد ہیں اور شعرا نے اس کی تاکید کی ہے، مغربی اور شاہ عنایت کا سارے کا سارا کلام اسی نظریہ کا مظہر ہے، شیخ عطار، ابوسعید ابوالخیر اردمی اور دوسرے شاعروں نے بھی اپنی بساط کے مطابق اس رنگ میں زور مارا ہے، میں نے ان میں سے کئی غزلوں کا اردو نظم میں ترجمہ کر رکھا ہے مگر انسانی طبیعتیں اکتا جاتی ہیں بن دیکھے خدا کے تصور سے اور پھر تسکینِ قلب کے لئے اپنے فہم کے مطابق اور راستے ڈھونڈتی ہیں اور بالآخر پیچھے مڑ کر پھر سورج، چاند، قبور، بزرگوں اور دوسری چیزوں کی پرستش اور پوجا شروع ہو جاتی ہے، اپنے ہاتھوں معبود تراشے جاتے ہیں اور لاکھوں روپیہ لگا کر اُن کے لئے مندر، گرجے اور معبد خانے بنائے جاتے ہیں اور

دیر و حرم آئینۂ تکرارِ تمنّا   واماندگیِ شوق تراشے ہے پناہیں

کا تقاضا پورا کرتے ہیں، اور تمنائیں کرتے ہیں

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تری جبینِ نیاز میں

مگر یہ مسئلہ اور ہے، جس کا تمھارے سوال سے کوئی تعلق نہیں!   دعاگو

برہم ناتھ دت

جناب نریندر سنگھ ڈھینگرہ کے نام

(۱)

امرت سر

۳ مئی ۱۹۵۳ء

عزیز از جان!

"فکر ہر کس بقدر ہمت اوست"، یہ ایک فارسی کا مصرعہ ہے، اکبر الہ آبادی نے اپنے خاص رنگ میں اس کا اظہار اس طرح کیا ہے:-

کہا منصور نے خدا ہوں میں ڈاروِن بولا بوزنا ہوں میں

سُن کے کہنے لگے مرے اک دوست "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست"

منشا یہ ہے کہ منصور کی بلندیٔ فکر نے اُس کو خدا تک پہنچا دیا اور ڈاروِن کی پستیٔ خیال نے اس کو بندر بنا دیا، یہ صرف سوجھ بوجھ کا فرق ہے!

ایک بار اکبر بادشاہ کے دربار میں میاں تان سین نے سورداس کا یہ پد[1] گایا۔

جسودھا بار بار یہ بھاکھے ہے کوئی برج میں ہتو ہمارو چلت گوپال ہی راکھے

بادشاہ نے تان سین سے اس پد کا مطلب پوچھا، تو اس نے بتایا کہ جسودھا

---

[1] شعر

بار بار تکرار سے چلاتی پھرتی تھی کہ برج میں ہمارا کوئی ایسا خیر خواہ بھی ہے جو کرشن کو جانے سے روکے، تان سین جب گا بجا کر چلے گئے تو بیر بل دربار میں آئے، بادشاہ اُس وقت یہی پد گنگنا رہے تھے، بادشاہ نے اُس سے بھی اس پد کے معنی پوچھے، بیر بل نے کہا، "حضور، جسودھا دروازے دروازے چکر کاٹ کر یہ چلا رہی تھی کہ برج میں کوئی ہمارا ایسا خیر خواہ ہے جو گوپال کو جانے سے روکے،" اتنے میں ٹوڈرمل آ گئے، کیونکہ بار بار کے معنی میں اختلاف پیدا ہو چکا تھا، بادشاہ نے ٹوڈرمل سے بھی تفسیر چاہی، ٹوڈرمل نے "بار بار" کے معنی گھاٹ گھاٹ بتائے کہ جسودھا گھاٹ گھاٹ چلاتی پھرتی تھی کہ کوئی ہمارا ایسا خیر اندیش بھی ہے جو گوپال کو جانے سے روک سکے، اختلاف اور بڑھ گیا، ملا فیضی کے آنے پر بادشاہ نے اُس سے بھی معنی پوچھے، اس نے بار بار کے معنی "رو رو" کے بتائے کہ جسودھا رو رو کر چلا رہی تھی کہ برج میں ہمارا ایسا ہمدرد بھی ہے جو گوپال کو جانے سے روک لے، خان خاناں کی آمد پر بادشاہ نے ان سے بھی یہی سوال کیا، انھوں نے کہا، "حضور، اس پد کے معنی کسی اور نے بھی کئے ہوں تو فرمائیے،" بادشاہ نے کہا، "اختلاف صرف "بار بار" پر ہے، تان سین نے اس کے معنی بار بار یعنی تکرار کے لئے ہیں، بیر بل نے دروازے دروازے کے، ٹوڈرمل نے گھاٹ گھاٹ کے اور فیضی نے رونے چلانے کے،" خان خاناں نے کہا، "حضور، یہ "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" کا معاملہ ہے، تان سین راگی ہے، ایک ہی پد کو سینکڑوں بار تکرار سے گنے والا،

اس لئے وہ اپنے ذہن کو کسی اور طرف منتقل نہ کر سکا، بیربل برہمن ہے، گھر گھر پھرنے والا، وہ دروازہ سے آگے نہ بڑھ سکا، ٹوڈرمل فوجی ٹھہرا، اس لئے وہ گھاٹ کے معنی بتاتا ہے اور فیضی شاعر ہے، ہجر و فراق کا رونا رونے کے سوا اُسے اور کیا کام؟ پھر وہ اور کیا معنی بتاتا؟"

اُپ نشدوں میں اسی خیال کو نہایت اچھوتے اور دل کش انداز میں بیان کیا گیا ہے تم بھی سُن لو۔ معلم اور متعلم دونوں کے لئے دلچسپی کی چیز ہے۔

دیوتا، انسان اور اُسر (خبیث انسان) اپنے باپ پرجاپتی کے پاس رہتے تھے، فارغ التعلیم ہونے کے بعد، انھوں نے پرجاپتی سے رخصت چاہی، اور باری باری اُس کے حضور پیش ہو کر دعائے خیر کے طالب ہوئے،

سب سے پہلے دیوتا باریابی حاصل کر سکے، پرجاپتی نے صرف "دا" کہا اور پوچھا، کیا سمجھے؟ دیوتاؤں نے جواب دیا، "دم یاتا" لیعنی متواضع رہو، پرجاپتی نے کہا "تم ٹھیک سمجھے، جاؤ اسے عمل میں برتو، اس کے بعد انسانوں کی باری آئی، اُن کو بھی پرجاپتی نے "دا" ہی کہا، اور اس کا مطلب پوچھا، انسانوں نے اس کے معنی "دت" بتائے لیعنی سخی بنو، پرجاپتی نے کہا "تمہارا جواب درست ہے، جاؤ سخاوت کے دریا بہا دو" آخر میں اُسر کی باری آئی، اُن سے بھی پرجاپتی نے "دا" ہی کہا، اور اُس کے معنی پوچھے، انھوں نے اس کا مطلب "دیا دھام" لیعنی رحیم بنو بتایا، پرجاپتی نے کہا، "جاؤ اس خوبی کو اپناؤ، تمہارے معنی ٹھیک ہیں"

عزیز من! دیکھنا ہندی ابجد کا سترھواں حرف "دا" جس کے اپنے کچھ معنی نہیں ہیں، مختلف طبائع پر کسی طرح نظرانداز ہوتا ہے اور اُن کی زندگیوں کے نصب العین کو اُن کی طبیعتوں کے مطابق کس طرح نمایاں کرتا ہے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھو، خیرات کرو اور ترحم کو اپنا شعار بناؤ، دیوتا جن کو خدائی صفات کا مظہر بیان کیا جاتا ہے، اُن کو متواضع رہنے کی ہدایت کی گئی ہے، انسان جس کو حصول ومطلب کی ہوس ستارہی ہو اُس کو سخاوت کی طرف مائل کیا گیا ہے اور اُسُر کو ایذا رسانی جس کا شیوہ ہو اُس کو رحیم بننے کے لئے کہا گیا ہے،

دیکھو کتنی اچھی باتیں تمھارے گوش گزار کردیں، ان پر عمل کرنا اب تمھارا کام ہے،

دعاگو

برہم ناتھ دت

(۲)

امرتسر

۷ جون ۱۹۶۰ء

جانِ عم

عناصر اربعہ کی مناسبت سے قلمی اسمٔ ہائے اربعہ علم موصول ہوا،

قلم کا نمونہ جو دیکھا تھا، اُس سے بہتر پایا، فتح پور سیکری میں شاہ سلیم کا روضہ یاد آگیا، میں نے ہر آم کو آپ کا نہایت لذیذ پیام سمجھا، غالب نے انھیں

"انگبیں کے ہیں سر بمہر گلاس"

کہا تھا، میں کہتا ہوں

لبِ حسنِ پری تمثال ہے آم
قوامِ بوسۂ سیّال ہے آم

اس حسین و جمیل قامت رعنا کے قلم کا نب آخر کبھی بدلنا پڑے گا، دیکھئے یہ پیشگی وہم، خیر جہاں سے سر ملا، سر پوش بھی مل ہی جایا کرے گا! آپ کے قاصد میری غیر موجودگی میں تشریف لائے، شکریہ بھی ادا نہ کر سکا میری طرف سے انھیں سلام اور شکریہ کہہ دیں۔

دعا گو

برہم ناتھ دت

...........کے نام

(۱)

امرت سر

۱۳ ستمبر ۱۹۴۹ء

محترمہ۔

طوفان کی روایت ہر ملک میں پائی جاتی ہے، مگر سب سے زیادہ مشہور نوح کا طوفان ہے، جو پرانے "عہد نامے" پیدائش کے باب چھ تا نو میں بیان کیا گیا ہے، یہ کہانی یا وسطا کے مسودہ "ج" اور راہبوں کی دعاؤں کے مسودہ "پ"، کو یکجا کرکے بنائی گئی ہے، ان دونوں مسودوں میں اختلاف یہ ہے کہ "ج"، کے مطابق حلال جانوروں کے سات جوڑے کشتی میں لے جانے کی تاکید ہے اور "پ" کے مطابق صرف دو جوڑوں کی، حلال حرام کی کوئی تخصیص نہیں، "ج"، کے مطابق طوفان چالیس دن بڑھتا رہا اور "پ" کے مطابق ایک سو پچیس دن تک" "ج"، کے مطابق حیوان سات دن تک کشتی میں داخل ہوتے رہے "پ"، کے مطابق ایک دن ہی میں سب سے سب کشتی میں سوار ہو گئے،۔

---

۵۱ ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر!

نوح کے طوفان کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ زمین پر انسان کی بدی بڑھ گئی، خدا ملول ہوا، اُس نے طوفان کے ذریعہ اپنی مخلوق کو فنا کرنے کی ٹھانی، نوح خدا کی نظروں میں مقبول تھے، خدا نے اُنھیں ایک کشتی بنانے کے لئے کہا تاکہ اُس میں بیٹھ کر وہ اور اُن کے ساتھی فنا ہونے سے بچ جائیں طوفان اتنا عالمگیر تھا کہ پہاڑ تک بھی ڈوب گئے، ہر جان دار شے جو روئے زمین پر تھی، فنا ہو گئی، صرف نوح اور اُن کے وہ ساتھی بچے، جو اُن کے ساتھ کشتی میں سوار تھے!

جب طوفان ختم ہوا تو نوح اپنے ساتھیوں سمیت کشتی سے باہر نکل آئے اور انھوں نے خدا کے لئے ایک مذبح بنایا، اور حلال جانوروں اور پرندوں کی سوختنی قربانی دی، خدا نے قربانی کی راحت انگیز خوش بو سے خوش ہو کر عہد کیا کہ "آئندہ زمین پر ایسی لعنت نہ بھیجوں گا، اور اس عہد کی پابندی کی سند میں "اپنی کمان (قوس قزح) کو بادلوں میں رکھوں گا کہ وہ میرے اور زمین کے درمیان اس عہد کی نشانی ہوگی"

بابل کی کہانی، نوح کی کہانی سے بھی زیادہ پرانی ہے ہو سکتا ہے کہ نوح کی کہانی اسی کہانی سے اخذ کی گئی ہو، یہ کہانی گل گامش کے گیارھویں کتبے سے لی گئی ہے، اس کشتی کی ساخت نوح کی کشتی کی ساخت سے بدرجہا بہتر ہے، کشتی میں گل گامش کے خاندان کے علاوہ مفید اور کارآمد کتابیں، دوائیں، سونا چاندی، کاریگر اور چابک دست ملاح بھی تھے، طوفان کے

بعد دیوتاؤں کو سوختنی قربانیاں دی گئیں اور اس راحت بخش خوش بو سے دیوتا "مکھیوں کی طرح قربانی کے گوشت پر ٹوٹ پڑے" خاص طور پر قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ نوح کا طوفان "خدا کی طرف سے تھا" اور اہل بابل کا طوفان "تاریکیوں کے حاکم کی طرف سے" مصر کے طوفان کی کہانی یہ ہے کہ سورج دیوتا نے طوفان بنی نوع انسان کو غارت کرنے کے لئے بھیجا اور صرف وہی بچ سکے جو اُس دیوتا کے مقبول تھے،

یونان کا طوفان دیوتا ضواس کے عتاب کی وجہ سے آیا، آسمان سے زمین پر بے انتہا مینہہ برسا، دیو کاشن اور اُس کی بیوی نو دن تک، صندوق میں بند پانی میں بہتے رہے۔ دسویں دن اُن کا صندوق پہاڑ کی ایک چوٹی پر تھم گیا، دیو کاشن نے وہیں ضواس کو قربانی دی اور اُس سے برکت حاصل کی، دیو کاشن کے سر سے پھینکے ہوئے پتھر آدمی بن گئے اور اس کی بیوی کے پھینکے ہوئے عورتیں، اور اس طرح دنیا نئے سرے سے آباد ہوئی،

آئس لینڈ کا طوفان خونی تھا، یہ خون ایک جن کے جسم سے بہا تھا اور اس میں زمین غرق ہو گئی تھی،

ہندوؤں کا طوفان اس طرح آیا، منو مہاراج کے خادم اُن کے لئے پانی لائے، نہاتے وقت اُن کے ہاتھ میں ایک مچھلی آگئی، مچھلی نے ڈرتے ڈرتے کہا، "مجھے مارو نہیں میں تمہاری جان بچا لوں گی" منو مہاراج نے پوچھا کیسے؟ مچھلی نے کہا، فلاں سال طوفان آئے گا، پس تم پیدا آئنج نہ

آنے دوں گی" منو مہاراج نے مچھلی کو پالا پوسا اور جب وہ بڑی ہو گئی تو اس کے کہنے کے مطابق اُس کو سمندر میں چھوڑ دیا، جاتی دفعہ وہ منو مہاراج کو ایک مضبوط کشتی بنانے کے لئے کہہ گئی جب طوفان آیا تو مچھلی منو مہاراج کو کشتی سمیت ہمالیہ پہاڑ پر چھوڑ آئی اور اس طرح منو مہاراج اور اُن کے ساتھی بچ گئے،

آراوک (جنوبی امریکہ) کی کہانی یونان کی کہانی سے ملتی جلتی ہے، دیوتا سگن نے ایک درخت کے خول میں پانی کا ایک مٹکا رکھا ہوا تھا، بندر نے شرارتاً مٹکے کو اوندھا کر دیا، جس سے طوفان آ گیا، دیوتا سگن نے لوگوں کو پہاڑوں پر بھاگ جانے کی تلقین کی، مگر صرف ایک آدمی بچ سکا۔ نئی دنیا بسانے کے لئے دیوتا سگن نے پتھروں کو آدمی بنا دیا۔

چینی کہانی، زیادہ سادہ ہے، یاؤ بادشاہ کے عہد میں طوفان آیا، زمین پر پانی ہی پانی پھیل گیا، لوگ درختوں پر چڑھ گئے اور فریادی ہوئے شاہ نے سن نے ین کو حکم دیا کہ پانی کے نکاس کا انتظام کرو، ین نے کھاڑیاں کھودیں نہریں نکالیں اور پانی کو سمندر میں دھکیل دیا، بچے کھچے لوگ پھر وادیوں میں آبسے،

پارسیوں کی کہانی دل کش اور سبق آموز ہے، انسانی، حیوانی اور نباتاتی نسل کو بہتر بنانے کا جذبہ کارفرما ہے، یزداں نے دیوتاؤں کی مجلس طلب کی اور اُن کو خبردار کیا کہ آئندہ جاڑے کا موسم تباہی اور بربادی کا موجب

ہوگا، کوہ و دشت زیرِ آب آجائیں گے اور بھیڑ کو کھڑے ہونے کے لیے بھی جگہ میسر نہ آئے گی، اس لئے گھوڑ دوڑ کے میدان کو پناہ گاہ بنا لو، دانہ پانی اکٹھا کر لو، بہترین، نفیس ترین، حسین ترین تندرست اور توانا آدمیوں اور عورتوں اور حیوانوں کو پناہ میں لے آؤ، اسی طرح مفید، بارور، خوشبودار بوٹوں کو جمع کر لو، کبڑا، جذامی، اپاہج، نامرد، مجذوب، گندہ دہن، حرامی جھوٹا، مکار، فریبی، چغل خور، بخیل، حاسد اور شیطانی خصلت کے آدمیوں کو پناہ گاہ میں نہ آنے دو، ایسا ہی ہُوا اور طوفان کے بعد، دنیا انھیں صالح، نیک، خوب صورت اور توانا آدمیوں اور عورتوں سے آباد ہوئی اور پھلی پھولی،

مکرمہ! تمھارے اپنے گھر میں چائے کی پیالی میں جو طوفان آیا۔ اُس کی تفصیل کے جواب میں، میں نے تم کو دنیا بھر کے طوفانوں کی روداد سنا دی، مگر مہ تین مزید طوفانوں کا ذکر رہ گیا، اب کہتا ہوں، ایک وہ جس کا تعلق تم سے ہے، دوسرا جس کا تعلق مجھ سے اور تیسرا جس کا تعلق دنیا جہان سے ہے،

منشی احمد علی شوق قدوائی کا ایک شعر ہے،

ایک غصہ تیرا اُترا نہ کسی دن ورنہ
جتنے دریا ہیں، وہ سب چڑھ کے اتر جاتے ہیں

یہ ہے پہلا طوفان، اس کا تعلق تم سے ہے، یعنی تمھارا غصہ، چڑھ کر نہ

اترنے والا طوفان! دوسرا شعر میرا اپنا ہے،

ہے جوانی اور بڑھاپا مدو جزر زندگی
پھر نہیں چڑھتا ہے یہ دریا اُتر جانے کے بعد۔

یہ ہے دوسرا طوفان، اس کا تعلق مجھ سے ہے، یعنی جوانی میری، ایک بار اُتر کر نہ چڑھنے والا طوفان!

تیسرا شعر اُسی غالبؔ کا ہے جس کا دیوان تمھاری میز پر پڑا رہتا ہے۔

یوں ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

یہ ہے تیسرا طوفان، اس کا تعلق اہلِ جہاں سے ہے، جس میں ہم تم دونوں شامل ہیں، یعنی نہ تھمنے والے آنسوؤں کا طوفان!

ان تینوں طوفانوں کے ذکر کے بغیر داستان ادھوری رہ جاتی اس لئے اس کا ذکر بھی کر دیا۔

فقیر
برہم ناتھ دت

(۲)

امرت سر
۱۵ اگست ۱۹۵۰ء

کیا پوچھتی ہو؟ اس دنیا میں سود و زیاں اور مکر و فن کا کھیل کس طرح

جاری ہے؟ ہر چیز نیلام ہو رہی ہے عصمت بکتی ہے، عزت بکتی ہے، خرقہ بکتا ہے، تسبیح بکتی ہے، عمامہ بکتا ہے، ایمان بکتا ہے اور خاکم بدہن خود یزداں بھی! ڈاکو، چور، رہزن، ٹھگ، جیب تراش قمار باز، زانی، سب صدقِ دل اور روح کی گہرائیوں سے اپنی مہموں کی کامیابی کے لئے دست بدعا ہوتے ہیں اور پھر شکار کی تلاش میں نکلتے ہیں، بھروسے اور اعتقاد کی مضبوطی کے ساتھ وہ قتل وغارت کرتے ہیں اور کامیابی پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور اپنے معبود کو اس گناہ آلود یافت سے حصّہ دے کر دعائے خیر حاصل کر لیتے ہیں۔ ملّا، گرنتھی، پادری، پنڈت سب سے۔ کیونکہ دنیا میں خدا کے نائب وہی ہیں، یہ ہے وہ دنیا جس میں ہم تم بستے ہیں!

مگر اداس نہ ہو، زندگی کے اور پہلو بھی ہیں، خوش گوار، حسین اور دل کش، محبت جو زندگی اور حیات کا جوہر لطیف ہے، سورج کی حیات بخش کرن، چاند کی راحت بخش چاندنی کی طرح خدائی عطیہ اور فضل ایزدی ہے، انمول ہے

انمول پیار بن مول بکے   اس دنیا کے بازاروں میں

اور ہماری تمھاری زندگیاں اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں!

فقیر حقیر

برہم ناتھ دت

(۳)

امرت سر

۲۳ ستمبر ۱۹۵۷ء

مکرمہ۔

تمھارا یہ لکھنا کہ عورت کا وجود باعثِ سرگرانی ہے اور اس کی ذات سے کسی خوبی کی توقع رکھنا خیالِ خام، مجھے پسند نہیں آیا، میری نگاہوں میں وہ مجسم خوبی اور خوب صورتی ہے اور اس کا وجود منبع جود و کرم!

مجھے زندگی میں تین عورتوں سے واسطہ پڑا، بچپن میں ماں سے اُس کا پیار اور شفقت بے بہا خزینہ تھا جس کی وسعت اور قیمت کا اندازہ لگانا ناممکن ہے، جوانی میں بیوی سے، جس کی جاں سوزی اور نیک اندیشی نے زندگی کی تنگ و تاریک راہوں کو مجھ پر کشادہ اور ہموار کر دیا، بڑھاپے میں تم سے کہ روحِ حیات ہو، پھر تم ہی کہو، میں عورت کو بُرا کیوں کر کہوں؟

یہ ہماری عادت بن چکی ہے کہ ہم ہر اُس شخص کو جو زندگی کی راہوں میں ہم سے موافق نہیں ناپسند کرتے ہیں، مگر ایسا کرنا ہماری اپنی غلط بینی اور غلط اندیشی کا نتیجہ ہے!

انسان اگر اپنے متعلق سخت گیر ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، دوسروں کے لئے اُسے حلیم ہی ہونا چاہئے، اصلاح تو نرمی اور محبت ہی سے ہو سکتی ہے، ہم اپنی غلطیوں کو نظر انداز کر دینے کے عادی ہیں مگر دوسروں کی مفروضہ اور خیالی

غلطیوں کو اچھالتے رہتے ہیں، یہ نامناسب بات ہے، چاہیئے تو یہ کہ اگر ہمارا اپنا دایاں ہاتھ گناہ کرے تو ہم اُس کو کاٹ دیں مگر دوسروں کے گناہوں کے لئے دعائے خیر و برکت ہی کریں اور تم ہی بتاؤ جب تم خود اپنی زندگی کو اپنے خیالات اور توقعات کے مطابق ڈھالنے میں ناکام رہی ہو تو پھر تم کیوں کر توقع کر سکتی ہو کہ دوسرے تمھاری روش کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھال لیں اور تمھارے بتائے ہوئے راستوں پر چلیں۔

دنیا ایک نظام کے تحت چل رہی ہے اور اس کی روک تھام ناممکن ہے، ہر شخص اپنے فہم اور ماحول کے مطابق اپنی منزل کی طرف گام زن ہے، پھر ہم کون ہیں؟ جو دوسرے لوگوں کی زندگیوں کو اپنے خیالات کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں اور خواہ مخواہ پیغمبروں کا کام اپنے ذمّے لیں؟ اور لیں بھی تو کس برتے پر۔ خدائی برکتوں کے حامل ہونے کے باوجود اُن کی کس نے سنی جو کوئی ہماری تمھاری سُن لے گا! ٹومس ہارڈی نے انسانی مجبوریوں اور معذوریوں کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

خدا نے فرمایا "دنیا میں سلامتی ہو"
ہم ہر روز اپنی دعاؤں میں اس کا وظیفہ پڑھتے ہیں،
دس لاکھ پادریوں کو اس کام کے لے تنخواہیں دیتے ہیں۔ اور۔

THOMAS HARDY ۱؎

دو ہزار برس کی مسلسل دعاؤں اور نمازوں کے بعد
ہم اب زہریلی گیس کے استعمال تک آ پہنچے ہیں،

مگر اب ہم کو اٹم بم سے پالا پڑ رہا ہے اور جب خدا کی اور اُس کے نائب پادریوں کی کوئی نہیں سنتا، تو پھر ہماری تمھاری کون سنے گا، جب دس لاکھ پادری اور دو ہزار برس کی مسلسل دعائیں اور نمازیں کچھ نہ بنا سکیں تو تمھاری اکیلی نسوانی آواز کیا کر سکے گی؟

فقیر حقیر
برہم ناتھ دت

(۴)

امرت سر
۱۸ اکتوبر ۱۹۵۶ء

محترمہ،

خوب خوب، کوئی اور گالی دی ہوتی، بے وفائی کا طعنہ تو بہتان ہے، جھوٹ ہے، صاحب فراش تھا، اس لئے جواب میں کوتاہی ہوئی، اب قدرے افاقہ ہے، دھیرے دھیرے لکھ رہا ہوں، مگر پھر بھی انگلیاں نہیں چلتیں، تھک جاتی ہیں، زندگی کا بھی یہی حال ہے، بہت جیا، بچپن

دیکھا، جوانی دیکھی، بڑھاپا دیکھا، زندگی کا جزرومد دیکھا اور خوب دیکھا، مگر اب تھک ہی نہیں گیا بلکہ تھک کر چور ہو گیا ہوں، دائمی سکون کے انتظار میں —— اور میں تم سے پوچھتا ہوں کہ جب آخری وداع کا وقت آئے گا تو کیا تم یہاں آنے کی زحمت گوارا کرو گی،

فقیر حقیر

برہم ناتھ دت

رائے بہادر پرکاش چند صاحب پرکاش کے نام

(۱)

امرت سر
۱۴ جنوری ۱۹۶۰ء

لو بھائی یہ داستان بھی سُن لو!

بے عشق نشاں نیک و بد نیست
چیزے کہ ز عشق نیست خود نیست

ابتدائے آفرینش میں رگ وید کے مطابق بزمِ جہاں کی آرائش کا پہلا شاہکار "پیار" ہی تھا، زندگی کا پہلا تخم اور زندگی کے اولین تخم کی پہلی کونپل،

ہستند افلاک زائیدہ عشق
ارکان بزمیں افتادۂ عشق

ژند اوستا میں "پیار" کو "دخترِ یزداں" اور خالق محاسن بتایا گیا ہے،

ہم چرخ جلال را تو مہری
ہم برج جمال را تو ماہی

انجیل میں یسوع کو اس کا آسمانی باپ "میرا پیارا بیٹا" کہہ کر پکارتا ہے، اور سلیمان اپنے غیر فانی گیتوں میں خدا کے حضور اپنا "پیار" ہی نذر کرتا ہے

اور کہتا ہے کہ "تمھارا پیار شراب سے کہیں زیادہ سُرور انگیز ہے اور میں تمھیں روح کی گہرائیوں سے "پیار" کرتا ہوں ، اور قرآن مجید میں "الرحمن والرحیم" اسی تصوّر کی تائید و تفصیل کرتے ہیں ، یہ نظریات مشرقی اقوام کے رجحانات کے مظہر ہیں۔

مغرب میں پہلے یونان اور اس کے بعد روم کو تہذیب اور تمدن کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے ، ان دونوں ملکوں کی ذہنی پرواز بھی ، مشرقی نظریات کا پہلو لئے ہوئے ہے ، ارس ٹوفینز کے مطابق "سیاہ پروں والی رات نے موت کی آغوش میں ہوا کا تخلیق کردہ ایک انڈا رکھا ، موسموں کی گردش اور تغیّر سے اس انڈے سے "پیار پھوٹ پڑا" سب کا چہیتا اور لاڈلا ، سونے کے پروں سے آراستہ" اُن کے خیال میں

بعالم ہر کجا درد و غمے بود
بہم کردند و عشقش نام کردند

پیار ظلمت اور موت کے اتصال سے عالم وجود میں آیا ، یونانی شاعر ہیسی آڈ نے "پیار" کی تخلیق سمندر کی جھاگ سے بتائی ہے اور شہرۂ آفاق بے بصر شاعر ہومر نے "اس خوب صورت اور سنہری دیوی کو دیوی ڈآنا کے بطن سے دیوتا ضیوس اُس کی بیٹی کہا ہے ، اور سقراط کے مکالمے سمپوسیم[1] میں اس کو "دنیا کی تسکین ، طوفان کو سکون اور درد مندوں کو آرام دینے والی بتایا ہے"

SYMPOSIumal

رومن تصوّر خیالات کی رنگینی اور الفاظ کی رعنائی کا مرقع ہے، کیا خوب ارشاد ہوتا ہے، "حُسن اُس کا ذاتی جوہر ہے، اُس کے حضور بادِ نسیم کی یہ حالت ہے کہ

از برائے شرف بنوکِ مژہ
خاک را تو رُفتنم ہوس است

طوفان اُس کے حضور ساکت، پھول فرشِ راہ، اور لہریں اس کے تصور میں بے تاب ہیں" وہ خود نور بقعۂ نور، اور زمان و مکان کی ملکہ ہے؎

در قصر تو چرخ آستانے کیواں بدر تو پاسبانے

قمری اُس کا مقبول پرندہ ہے اور مہندی اُس کا دل پسند پودا!

یونانی اس کو ایفروڈائیٹ کہتے ہیں اور رومن اُس کو "وینس" مگر دونوں لفظوں کے معنی ایک ہی ہیں "پیار کی دیوی"

رومن نے پیار کے تخیّل کو نہایت ہی حسین کہانی کے ذریعہ بیان کیا ہے، محبوبہ کا نام "سیکی" ہے جس کے معنی تیتری اور روح کے ہیں اور عاشق "کیوپڈ" دو پر وں والا دیوتا" "وینس" پیار کی دیوی کا اکلوتا بیٹا، دنیا کی یہ عظیم ترین کہانی آپولی یس نے اس طرح بیان کی ہے،

"ایک بادشاہ کے تین بیٹیاں تھیں، سب سے چھوٹی حسن و خوبی میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھی، ایسی کہ پھول کی پنکھڑی بھی خجل اور نادم تھی جب اُس کے حسُن کا چرچا وینس (حسن کی دیوی) کے کانوں تک پہنچا تو وہ حسد سے جل بھن گئی اور اپنے بیٹے کیوپڈ کو بلا کر، سیکی کو نشانۂ عشق بنانے کے لئے کہا، کیوپڈ نے سیکی کو سوتے

میں تیر مارا، وہ تڑپ کر اُٹھی، آنکھیں چار ہوئیں، شکاری خود شکار ہو گیا ؎

گشت خود صیاد صیدِ صیدِ خویش

اپنے کئے پر پچھتایا، سیکی کے زخم پر مرہم لگایا اور خود "تیرِ نگاہ کا گھائل" ہو گیا، سیکی کے لئے اب لوگوں کے دلوں میں پیار کی بجائے احترام و تقدیس کا جذبہ پیدا ہو گیا، کیونکہ وہ ایک دیوتا کی منظورِ نظر اور محبوب تھی!

بادشاہ اور ملکہ دونوں آپالو (سورج دیوتا) کے حضور کفارہ دینے کے لئے حاضر ہوئے، دیوتا نے کہا، کہ "یہ لڑکی انسانوں کی دنیا سے نکل کر دیوتاؤں کی دنیا میں جا چکی ہے، اس کا خاوند اُس پہاڑ کی چوٹی پر اس کا منتظر ہے وہ ایسا مہیب دیو ہے کہ اُس کے مقابلے میں آنے کی کسی کو جرأت نہیں"!

ملک بھر میں صفِ ماتم بچھ گئی، مگر سیکی قسمت پر شاکر، پہاڑ کی جانب چل پڑی، اُس کے والدین اُس کو پہاڑ کی چوٹی پر چھوڑ کر واپس آ گئے، وہ حسن و خوبی کی تصویر، آزردہ اور اُداس ابھی سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ معنبر اور معطر بادِ نسیم اس کو اپنی جھولی میں اُٹھا کر ایک دل کش مرغزار میں لے آئی اور نرمی اور ملائمت سے اس کو ایک عالی شان محل میں ڈھکیل دیا، محل سونے ہیرے اور جواہرات سے مزین تھا، اور جھم جھما رہا تھا سیکی حیران اور ششدر اس منظر کو ایک سپنا سمجھ رہی تھی کہ ایک دل کش آواز نے اس کو مخاطب کر کے کہا :- "اے ملکۂ حسن و خوبی! یہ سب کچھ تمھارا اپنا ہی ہے، ایک مخفی فوج جو تمھاری آنکھوں سے اوجھل رہے گی، تمھاری خدمت کے لئے مامور ہے

کھاؤ، پیو اور خوش رہو"

دنیا بھر کی نعمتیں دسترخوان پر چُنی ہوئی تھیں، مغنی دلآویز نغموں میں راگنیاں الاپ رہے تھے اور بادِ نسیم معنبر و معطر خراماں خراماں اس کے دامن کو چھُو کر، محل کو عطر بیز کر رہی تھی، اُس کے ربانی خاوند نے اس کو آغوش میں لے لیا اور اُس کے کان میں "پیار اور محبت کی میٹھی میٹھی باتیں کہنے لگا، سیکی نے سمجھا کہ وہ فردوس میں بیٹھی، ایک حسین خواب دیکھ رہی ہے، حقیقت سے دور، بہت دور، سیکی نے نادانستہ پوچھا، کیا یہ خواب ہے؟ آواز آئی، "نہیں، حقیقت! تو پھر سامنے آؤ، حجاب کاہے کا؟ کیوپڈ نے جواب دیا، "مجھے دیکھنے کی تمنّا نہ کرو، تم کیوں بضد ہو؟ کیوں شک میں ہو؟ مجھ کو دیکھتے ہی تمہارا پیار ختم ہو جائے گا اور چونکہ میں دیوتا ہوں، تم مجھ کو تقدیس کی نگاہ سے دیکھنے لگو گی،!

کچھ عرصے کے بعد، سیکی کے دل میں عام انسانی جذبات پھوٹ پڑے وہ اپنی بہنوں پر اپنی شان و شوکت، جاہ و جلال، عظمت اور خوش بختی کا رعب ڈالنا چاہتی تھی، اُس نے بادِ نسیم کو انھیں لانے کے لئے کہا، بہنیں حشمت اور آسودگی کو دیکھتے ہی حسد سے جل کر راکھ ہوگئیں اور سیکی کو بہکانے لگیں کہ یہ دیوتم کو کسی دن ضرور مار دے گا، تم بتی جلا کر اُس کے پاس جاؤ اور خنجر سے اُس کا کام تمام کر دو، اور پھر آسودگی اور اطمینان سے زندگی بسر کرو، سیکی فریب کھا گئی، بتی جلا کر جب خواب گاہ میں گئی تو اُس نے حُسن

سے بھی زیادہ حسین "پروں والے دیوتا"، کو محوِ خواب پایا گھبراہٹ میں اُس کا ہاتھ کانپ گیا اور دیے سے تیل کی ایک بوند کیوپڈ پر گر گئی اور اُس کی آنکھ کھل گئی، وہ فوراً ہی یہ کہہ کر "بیوقوف سیکی، تم نے ہمارے سہانے سپنوں کا خاتمہ کر دیا، جہاں بدگمانی ہو، وہاں پیار کہاں! جاؤ اپنی بہنوں کے پاس رہو، جن کو تم نے زیادہ قابلِ اعتماد سمجھا" پرواز کر گیا،

سیکی کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے ؎

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

آخر اُٹھی اور اس کے پیچھے بھاگی، مگر وہ تھا کہاں!

جاناں چہ گویم شرح فراقت

چشمے و صد نم، جانے و صد آہ

کی کیفیت تھی، کوہ و دشت کی خاک چھاننے کے بعد، وہ اچانک ایک مندر میں داخل ہو گئی، یہ کریس[1] کا مندر تھا، یہاں جوار کے خوشے بڑی بے ترتیبی سے بکھرے پڑے تھے، سیکی نے مندر کو قرینے سے سجا دیا، زراعت کی دیوی نے خوش ہو کر، اس کو کہا، "اس مصیبت میں تمھاری مدد کرنا میرے بس کی بات نہیں، مگر ہاں تمھیں مشورہ دیتی ہوں، اٹھو وینس کے پاس جاؤ، اس کی منت سماجت کرو، تمھاری امید بر آئے گی"

سیکی۔ وینس کے مندر میں حاضر ہو کر سربسجود ہو گئی، مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی، پھر بھی وہ اپنی جگہ سے نہ ٹلی، بھوکی پیاسی رہ کر ریاضت

---

[1] زراعت کی دیوی

میں شب بے دار رہی، آخر تنگ آکر وینس اس کو ایک گودام میں لے گئی اور اُس کو خرمن میں سے ہر قسم کے دانے کو الگ الگ کرنے کے لئے کہا، سیکی کا دل بیٹھ گیا مگر چیونٹیوں کا ایک لشکر اُس کی مدد کے لئے آگیا، اور راتوں رات اُس انبار میں کا ایک ایک دانہ انھوں نے الگ الگ کر دکھایا، وینس جب آئی تو دیکھ کر دنگ رہ گئی، مگر اس کا دل نہ پسیجا، اور اُس کو بھیڑوں کی سنہری اون لانے کے لئے کہا، جو دریا کے اُس پار چر رہی تھیں سیکی دریا کی سمت چلی مگر ہوا نے سرگوشی کر کے خبردار کر دیا کہ سورج ڈھلنے کے بعد یہ کام از خود آسان ہو جائے گا، اس سے پہلے نہ تو دریا کی طغیانی سے بچاؤ ممکن ہے اور نہ بھیڑوں کی خشونت سے، شام ہوتے ہی اُس نے دریا کو پار کر لیا اور جھاڑیوں میں الجھی ہوئی اون اکٹھی کر کے واپس آگئی مگر پھر بھی وینس پر کچھ موافق اثر نہ ہوا، اور سیکی کو ایک خالی بکس دے کر کہا کہ پروس پرائن (تاریکیوں کی دیوی) کے پاس جاؤ اور اُس سے اجزائے افزائش حُسن لے کر آؤ، یہ کام تو بہت کٹھن اور ناممکن الحصول مگر سیکی چل پڑی، مخفی طاقتوں نے اب کے بھی اس کی اعانت کی اور اجزائے افزائش حُسن کی سوغات لے کر وہ واپس لوٹی، پروس پرائن نے بکس کو نہ کھولنے کی تاکید کر رکھی تھی مگر سیکی سے رہا نہ گیا، اُس نے اپنے حُسن کو دوبالا کرنے کے لئے بکس کھول دیا، مگر اس کو بکس میں کچھ دکھائی نہ دیا، اُس میں ایک ایسی چیز مخفی تھی جس کو انسان نہ چھو سکتا تھا نہ دیکھ سکتا تھا نہ

چکھ سکتا تھا، یہ دائمی نیند تھی، موت، یہ چیز سیکی کے جسم میں سرایت کرگئی
اور وہ ہمیشہ کی نیند سو گئی اور یہی وینس کا مدعا تھا،

عجب راہیست راہِ عشق کانجا
کسے سر بر کند کش سر نباشد

اُدھر کیوپڈ کے زخم بھی بھر آئے تھے وہ اپنی ماں کی غیر حاضری میں
سیکی کی تلاش میں نکل پڑا اور سیکی کو زمین پر مردہ پایا، اُس کے پاس ہی
بکس کھُلا پڑا تھا، اُس نے سیکی کے جسم سے نیند کے اجزا سمیٹ کر بکس میں
بند کر دئے اور عشق کا حیات بخش تیر مار کر سیکی کو بیدار کر دیا اور کہا

"اے میرے محبوب، تری رازجوئی کی عادت نے تجھے پھر برباد
کردیا حوصلہ مضبوط رکھ، جا، میری ماں کے احکام کی تعمیل کر، میں
آب بقا لے کر آتا ہوں تا کہ ہماری آسودگی اور مسرتیں غیر فانی
ہو جائیں"

کیوپڈ، آسمانوں کو چیرتا، جیوپیٹر کے دربار میں پہنچا اور اُس کو داستانِ الم
سنائی، جیوپیٹر اس کہانی سے اتنا متاثر ہوا کہ اُس نے سیکی کو اپنے پاس
بلایا، اور آبِ حیات کا ایک چلّو پلا کر اُس کو کہا:۔

"خوب رُو، سیکی تم کو لازوال بنا دیا گیا ہے،
اور تم ہمیشہ کے لئے کیوپڈ کی بیوی بنی رہو گی"

سیکی دیوی بن گئی، کیوپڈ کی چہیتی بیوی اور "پیار" بھی زندہ جاوید ہو گیا

اور پھر اُن کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام "راحت" ہے

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

استعارے میں سیکی اُس رُوح کی مظہر ہے جو مصائب کی بھٹی سے نکل کر کندن بن گئی ہو، مصور اس کو تیتری کے پروں سے آراستہ کرتے ہیں، ملٹن نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "کومس" میں اس کا ذکر کیا ہے، اور اس کو آسودگی اور شباب کی ماں بتایا ہے، ہاروے نے بدگمانی کو فراق کا سبب بتایا ہے اور کیٹس[ل] نے ایک پوری نظم سیکی کی نذر کی ہے اور مور نے بھی "سمر فیٹی"[۲] میں اس کا تذکرہ کیا ہے، نیاز فتح پوری نے اس کہانی کو افسانے کے رنگ میں پیش کیا ہے جو لاجواب اور بے مثل ہے، "سحر حُسن" کی تصویر ملاحظہ ہو:۔

"کیوپڈ نے سیکی کو نگاہ بھر کر دیکھا ہی تھا کہ تیر چٹکی سے چھوٹ گیا کمان ہاتھ سے گر پڑی" چلہ اُتر گیا اور کیوپڈ غش کھا کر زمین پر گر پڑا، آہ کاش کوئی سیکی سے اُس وقت جا کر کہہ دیتا کہ جس محبت کی اس کو جستجو تھی وہ خود اس کی آرزومند ہے، جس عشق کی اُسے تمنا تھی، وہ خود اُس کا تمنائی ہے، صیاد خود اُس کا صید ہے، عشق خود اس کا دیوانہ ہے"

سینٹ پال کا یسوع کا ہم عصر اور عیسائیت کا سب سے بڑا مبلغ اور رسول "پیار" کی عظمت اور بزرگی کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :۔

[ل] ODE TO PSYCHE   [۲] ۵۳

"نیک عطیات کے حصول میں دل و جان سے طامع ہو، میں تمھیں نادر سے بھی کہیں نادر ایک راستہ دکھاتا ہوں، اگر میں فرشتوں کا ہم نوا بن جاؤں اور جذبۂ محبت سے عاری رہوں تو میری آواز کی قدر بتھو سے تھے جنے کی کھنک جتنی بھی نہیں رہے گی، "پیار" اذیتیں جھیلتا ہے مگر پھر بھی مشفق ہے، کبر و نخوت سے معرا ہے، بد وضع نہیں ہے، بدی سے بیزار ہے، ناترسی سے ناآشنا ہے، سچائی کا ہم دم و ہمتا ہے، ایمان کا جویاں ہے، حوصلہ مند اور دل سوز ہے اور کبھی دغا نہیں دیتا۔

ہر چند کہ عشق درد ناک است

آسائش سینہ ہائے پاک است

پُرانے عہد نامے میں "پیار" کی کہانی رُوت کی زبانی نہایت دل سوز الفاظ میں بیان کی گئی ہے، نعومی رُوت کی ساس بیت اللحم کی رہنے والی تھی، موآب کے ملک میں آکر بس گئی، تقدیر الٰہی سے اُس کا خاوند اور دونوں بیٹے وفات پا گئے، نعومی دل برداشتہ ہو کر عازم وطن ہوئی، اُس کی دونوں بہویں، عارفہ اور رُوت اُس کے ساتھ جانے کے لئے بضد ہیں، مگر نعومی اُن کو باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے، عارفہ تو واپس لوٹ جاتی ہے مگر رُوت یہ کہہ کر، اُس کا مُنہ بند کر دیتی ہے:۔

"تو منت نہ کر کہ میں تجھے چھوڑ دوں اور تیرے پیچھے سے لوٹ جاؤں کیونکہ جہاں تو جائے گی، میں جاؤں گی، جہاں تو رہے گی

میں رہوں گی، تیرے لوگ میرے لوگ ہوں گے اور تیرا خدا
میرا خدا ہوگا، جہاں تو مرے گی میں مروں گی اور دفن بھی
ہوں گی، خداوند مجھ سے ایسا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ کرے،
اگر موت کے سوا کوئی اور چیز مجھ کو تجھ سے جدا کر سکے"

پیار کی تخلیق، ازل کے کارخانہ میں (اقبال کے خیال میں) کن اجزا کی آمیزش
سے ترتیب میں آئی، یہ بھی سن لو!

چمک تارے سے مانگی چاند سے داغِ جگر مانگا
اُڑائی تیرگی تھوڑی سی شب کی زلفِ برہم سے
تڑپ بجلی سے پائی حور سے پاکیزگی پائی
حرارت لی نفس ہائے مسیحِ ابن مریم سے
ذرا سی پھر ربوبیت سے، شانِ بے نیازی لی
فلک سے عاجزی، افتادگی تقدیرِ شبنم سے
پھران اجزا کو گھولا چشمۂ حیواں کے پانی سے
مرکب نے "محبت" نام پایا عرشِ اعظم سے

انسانی زندگی کے ہر دم پر، پیدائش سے لے کر موت تک، بلکہ اس سے بھی
بعد تک، ہم کو "پیار" کی دل داریوں اور دل سوزیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے،
ماں، باپ، بہن بھائی، بیوی اور بچّوں کے تعلقات، دوستوں کے مراسم
قوم و وطن، صلح و جنگ، مرض و صحت، حتیٰ کہ ہر اُس کام میں جہاں ایک

ذی روح کو دوسرے ذی روح سے واسطہ پڑتا ہے، "انسان" پیار کے رشتے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ "پیار" ہی تو ہے جو انسان کو حق و صداقت کی طرف لے جاتا ہے، اپنا نقصان کر کے، دوسروں کی بھلائی کا متلاشی ہے، اپنی جان دے کر، دوسروں کی راحت کے سامان پیدا کرتا ہے اگر "پیار" نہ ہو تو تحقیق و جستجو کے دروازے بند ہو جائیں۔ انسان اور درندے ایک ہی صف میں کھڑے دکھائی دیں، محبت کی داستان بڑی مختصر ہے ؎

چٹکی جو کلی کوئل کو کی، الفت کی کہانی ختم ہوئی

اور اتنی طویل کہ رہتی دنیا تک ختم نہ ہو،

ہم عشق کے ماروں کا اتنا سا فسانہ ہے
سمٹے تو میرا دل ہے پھیلے تو زمانہ ہے

اور

یک قصہ بیش نیست غم عشق، وین عجب
از ہر کسے کہ مے شنوم نامکرر است

پائی رامس[1] کی کہانی، ارپھی الیس[2] کی داستان، سی اکس[3] کی روداد، پائی گمالن[4] کی روایت، ڈیڈو[5] کا زندہ جل مرنا، ایلوسا کا ایثار، وامق عذرا، لیلیٰ مجنوں، سوہنی مہینوال، ہیر رانجھا، مرزا صاحبان، نل و دمن کی دلسوزیاں

---

[1] PYRAMUS [2] ORPHEUS [3] CEYX

[4] PYGMALION [5] D.DO

اور
ہم چو ہندو زن کسے در عاشقی دیوانہ نیست
سوختن بر شمع کشتہ کارِ ہر پروانہ نیست۔

کی روایت کو قائم رکھنے کے لئے کل ہی سل وار کی ایک بیس سالہ ان پڑھ اجڈ لڑکی کا اپنے مردہ خاوند کی چتا پر، جل مرنا، "پیار" کی چوکھٹ پر قربانیاں دینے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے،

مگر یہ بتاؤ، کہ اس داستان کے سننے کا مقصد کیا؟ کیا کوئی بات بن نہیں پڑتی؟ اگر یوں ہی ہے تو پھر بتاؤ، کس بحر، ردیف اور قافیہ میں مرثیہ کہنا شروع کر دوں، صدمے اور حادثے میں مجھ سے کچھ بن نہ پڑے گا۔

خیر اندیش
برہم ناتھ دت

(۳)

امرتسر

مشفق دیرینہ!

سودا اور فغاں ہم عصر تھے، قطعہ جس کا آپ نے ذکر کیا ہے، وہ یوں ہے اور فغاں کا کہا ہوا ہے:۔

تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یوں کہوں   انصاف کو نہ چھوڑ محبت اگر گئی

آخر فغاں وہی ہے اُسے کیوں بُھلا دیا — وہ کیا ہوئے تپاک وہ الفت کدھر گئی

سودا کو یہ قطعہ پسند آیا، مضمون اُڑا لیا، اور فغاں کو معشوق کی طرف سے یہ جواب لکھا :-

سُن اے فغاں جہاں میں عاشق جو ہو گیا
معشوق سے اُسی روش اُس کی گزر گئی
شیریں نے جور کب نہ کیا کوہکن کے سر
مجنوں پہ کیا جفا تھی کہ لیلیٰ نہ کر گئی
کل ہی پڑی سسکتی تھی بلبل چمن کے بیچ
ذرہ نہ اُس کے حال پہ گُل کی نظر گئی
پروانے رات شمع سے اتنے جلے کہ صبح
خاکستر اُن کی لے کے صبا دوش پر گئی
میں تازہ کیا کیا ہے کہ بدنامی کو مرے
آواز آہ و نالہ تری گھر بہ گھر گئی
حرمت رکھی نہ رعد کی نعرہ یاد نے تری
رونے سے تیرے آبروئے ابر تر گئی
لوہو سے مرے سر کے ہے دیوار گھر کی سرخ
آنکھوں سے موج خون کی بیرونِ در گئی

دل کو ترے نہیں ہے اگر تابِ دردِ ہجر
تو کارِ عشق سے یہ زباں لالی کر گئی

اس خط میں بلا تکلف، بلا جھجک اور بے باکی سے اعترافِ ظلم کر لیا گیا ہے کہ یہ شیوہ معشوقانہ ہے اور تمثیل سے یہ ظاہر کیا ہے کہ اُس کا طرزِ عمل کچھ انوکھا نرالا نہیں اور اُلٹا گلہ یہ کیا کہ اگر فغاں کو ضبط کا یارا نہ تھا، تو پھر وادیٔ عشق میں قدم کیوں رکھا اور رسوائی اور بدنامی کا باعث کیوں بنا؟

سوداؔ نے فغاں کی طرف سے بھی جواب دیا ہے،

القصہ خط کو پڑھ کے یہ اُن نے کہا کہ تیر
تیرے ہی دل کی مہر نہ جانوں کدھر گئی
شیریں کی ایک میں نہ کہوں ورنہ بارہا
لیلےٰ جدھر تھی وادیٔ مجنوں اُدھر گئی
جاری ہُوا تھا خون رگ مجنوں سے وقت فصد
لیلیٰ کے پوست بال اگر نیشتر گئی
ظالم کہ دور گل کا گریباں ہُوا ہے چاک
اک عندلیب گر اجل اپنی سے مر گئی
پروانہ کون سا نہ جلا شام کو کہ شمع
روتی ہوئی نہ بزم سے وقت سحر گئی
یہ گفتگو تو قطعِ نظر اس سے تجھ کو کیا
مجھ سے جفائے ہجر کی طاقت اگر گئی
میرے لہو سے بھری دیوار گھر کی سُرخ
میری ہی موج خوں مرے بیرون در گئی
شکوا تو کیوں کرے ہے میرے اشک سرخ کا
تری کب آستیں میرے لہو سے بھر گئی

آخری تین شعروں میں سوداؔ خوب کھل کھیلے ہیں اور خوب جلی کٹی سنائی ہیں، مگر ایسا کرنا آئینِ عاشقی کے خلاف ہے، سند میں حافظ کا یہ قطعہ پیش کرتا ہوں۔

صبح دم مرغِ چمن با گل نوخاستہ گفت
ناز کم کن کہ دریں باغ بسے چوں تو شگفت

گل بخندید کہ از راست نہ رنجیم ولے   ہیچ عاشق سخن تلخ بہ معشوق نہ گفت

مگر سودا ہجو کا بادشاہ ہے، سامنے کی بات کو کیوں کر چھوڑتا، بس باندھ دیا مغربی شاعری میں بھی یہ رونا دھونا، آہ و بکا، چھیڑ چھاڑ، گریہ زاری، گلہ گزاری چلی آتی ہے، ہورس[۱]، روم کے ممتاز شاعر نے اپنی نظم "جنون محبت"[۲] میں انھیں خیالات کا اظہار کیا ہے اور غم کے آنسو بہائے ہیں، سیفو[۳] تو اس حمام میں بالکل ننگی ہے، شیکسپیر کے گیت[۴] اور کیٹس کی "سنگ دل حسینہ"[۵] والی نظم میں بھی کچھ ہے بلکہ اس سے زیادہ حق تو یہ ہے کہ دنیا بھر کے شاعروں [illegible] پسند مضمون ہے، اس لئے بھی کہ اس میں جاذب القلب اور دل سوزی کا اظہار موثر طریقے سے ہو سکتا ہے۔

خیر اندیش
برہم ناتھ دت

ا؎ HORACE

۲؎ LOVES MADNESS.

۳؎ SAPPHO

۴؎ SONNETS.

۵؎ LA-BELLE-DAME SANSMERCI

بیٹے کے نام

(۱)

امرت سر ۱۹ جون ۴۳ ۱۹ء

نور نظر،

تمہارا ۱۳ کا خط پاکر مجھے دوہری خوشی ہوئی، ایک خوشی تمہارا خط پانے کی، دوسری یہ کہ تم نے اس خط میں اپنے آپ کو "میرا پیارا بیٹا" لکھا ہے، شکر ہے تم کو اس بات کا احساس ہوا کہ تم "میرے پیارے بیٹے ہو اور میں تم کو پیار کرتا ہوں۔"

تم نے جغرافیہ کی کتاب میں یونان کا ذکر دیکھا ہوگا، ۴۶۹ ق م اُس ملک میں ایک عظیم شخص نے جنم لیا، اُس کا نام سقراط تھا، وہ ہمہ داں مفکر، جید عالم، آج تک دنیا کے علم و ادب، رجحانات اور تخیلات پر چھایا ہوا ہے، اس نے خود کوئی کتاب نہیں لکھی، وہ اپنے خیالات کا پرچار سوال اور جواب کے ذریعے ہی کرتا رہا، اس کی مقبولیت اور لیاقت سے جل بھن کر اُس ملک کے حکمرانوں نے اُس پر موت کا فتوےٰ صادر کر دیا اور اس کو زہر کا پیالہ دے کر مار ڈالا،

اُس کا ایک شاگرد تھا، افلاطون، وہ بھی اپنے استاد کی طرح، بڑا فہیم، ذکی اور صاحب علم تھا، اب بھی اگر ہمیں کسی زیرک اور باریک بین آدمی سے واسطہ پڑ جائے تو ہم طنزاً افلاطون کہہ کر اُس سے جان چھڑاتے ہیں، اُس نے سقراط کے مکالموں کو کتابی شکل دی، اُن مکالموں میں سے ایک "پیار" پر بھی ہے، میں چاہتا ہوں کہ

تم کو اُس سے اجمالاً روشناس کر دیا جائے، بڑے ہو کر اُس کو خود پڑھ لینا، مکالمے کا نام "بچائی ڈرس[۱]، لی سس[۲] اور پروٹاگورس[۳] ہے، ہے یہ نام مشکل، مگر پھر بھی اس کو حافظے میں محفوظ کر لینا، اس مکالمے میں سقراط سائل ہے اور لی سس ایک خوبصورت نفیس طبع، ذہین، رئیس زادہ مجیب۔

سقراط:۔ لی سس! یہ تو بتاؤ کہ تمہارے ماں باپ تم کو پیار کرتے ہوں گے، تم کو بہت عزیز جانتے ہوں گے؟

لی سس۔ "ہاں سقراط یہ بالکل ٹھیک ہے"

"تمھیں ہر طرح خوش رکھنے کی انتہائی کوشش کرتے ہوں گے"؟

"بلا شبہ"

"کیا تم ایک مجبور غلام کو خوش قسمت سمجھو گے"؟

"نہیں سقراط، یہ کیوں کر ممکن ہے"

"پھر اگر تمھارے والدین تم کو عزیز جانتے اور خوش رکھنا چاہتے ہیں تو ہر طریقے سے خوش رکھنے کی کوشش کریں گے؟"

"ہاں"

"پھر وہ تم کو تمھاری مرضی کے مطابق جو چاہو کرنے دیں گے، تم کو کبھی ملامت نہ کرتے ہوں گے اور تمھارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالتے ہوں گے؟

"رکاوٹ تو وہ اکثر ڈالتے ہیں، اور تنبیہ بھی کرتے ہیں!"

"ہیں وہ تمھیں خوش بھی دیکھنا چاہتے ہیں اور رکاوٹ بھی ڈالتے ہیں! یہ

PROTAGORAS.[۳] LYSIS[۲] PHAEDRUS[۱]

تضاد کیوں؟ اچھا یہ تو بتاؤ، رتھوں کی دوڑ کے وقت، جب تم گھوڑوں کی راس اپنے ہاتھوں میں لیتے ہو تو وہ معترض تو نہیں ہوتے؟"

"وہ راس مجھ سے چھین لیتے ہیں اور ناراضی کا اظہار کرتے ہیں"

"تو پھر وہ راس پکڑنے کے لئے کس کو کہتے ہیں؟"

"تنخواہ دار گاڑی بان ملازم کو"

"ہیں، تمھارے یعنی فرزند عزیز کے مقابلے میں، ایک حقیر نوکر کو ترجیح دیتے ہیں کہ گھوڑوں سے جس طرح چاہے نمٹے، اور اُس کو تنخواہ دے کر زیر بار بھی ہو رہے ہیں"

"ہاں سقراط، یہ سب درست ہے"

"تو پھر رتھ کو ہانکنا تو نہیں لیکن گھوڑوں کی دیکھ بھال اور باہر اندر لے جانے اور اُن کو کوڑے لگانے کی تو تم کو اجازت ہوگی"؟

"نہیں نہیں"

"تو پھر کسی اور کو بھی اس کی اجازت نہ ہوگی"

"نہیں سقراط، گھوڑے کو سدھانے اور چلانے والا کوڑے بھی لگاتا ہے اور اُن کو اندر باہر بھی لے جاتا ہے"

"کیا وہ غلام ہے یا آزاد؟"

"وہ غلام ہے"

"تمھارے والدین ایک ناچیز غلام کو اپنے پیارے بیٹے پر فوقیت دے رہے ہیں اور اپنی املاک غلام کے حوالے کرنے میں، ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے

مگر اپنے فرزند کو اُسے چھونے تک نہیں دیتے، اچھا بتاؤ، تم اپنے افعال میں آزاد ہو، وہ کوئی رکاوٹ تو نہیں ڈالتے؟"

"سقراط، آزادی کہاں؟"

"کیا تم پر کوئی نگراں بھی مقرر کر رکھا ہے"

"ہاں! میرا منتظم"

"کیا وہ غلام ہے؟"

"ہاں وہ بھی غلام ہے!"

"ہائے ہائے، ایک آزاد رئیس زادے پر ایک غلام حکمراں! ہاں یہ تو بتاؤ، یہ غلام اپنے اختیارات کس طریقے سے استعمال کرتا ہے؟"

"وہ مجھے اسکول لے جاتا ہے، میرے اوقات کی تقسیم کرتا ہے اور مجھے اُن پر پابند ہونا پڑتا ہے"

"کیا تمھارے اُستاد بھی تم پر حکومت چلاتے ہیں؟"

"ہاں سقراط! وہ بھی حکومت چلاتے ہیں اور اُن کا ڈنڈا بھی!"

"اس سے تو ظاہر ہے کہ تمھارے باپ نے جان بوجھ کر تم پر بہت سے نگراں مسلط کر رکھے ہیں، ہاں یہ تو بتاؤ کہ جب تم والدہ کے پاس جاتے ہو تو وہاں تمھیں کوئی روک ٹوک نہ ہوتی ہوگی؟ جس چیز کو چاہو دیکھو بھالو، اس کے چرخے کو جہاں چاہو، رکھو، پھینکو"

"سقراط! تم کیسی باتیں کرتے ہو؟ وہ نہ صرف منع کرے گی بلکہ تھپیڑ بھی لگائے گی"

"کیوں تم نے اپنے والدین کو بُرا بھلا تو نہیں کہا؟"

"بالکل نہیں!"

"تو پھر وہ تمھاری مسرتوں اور خواہشوں کی تکمیل میں رکاوٹیں کیوں ڈالتے ہیں؟ اور تم کو من مانی کیوں نہیں کرنے دیتے؟ تم کو دن بھر کسی نہ کسی بندھن میں جکڑ رکھتے ہیں اور کوئی کام بھی تمھاری مرضی کے مطابق نہیں کرنے دیتے اس سے ظاہر ہے کہ تمھاری بے انتہا دولت اور وسائل تمھارے کسی کام کے نہیں، وہ دوسرے کے قبضے میں ہیں، حسین وجمیل ہونے کے باوجود تمھیں کسی چیز پر اختیار حاصل نہیں، اور نہ کوئی کام تمھاری مرضی کے مطابق ہوتا ہے"

"اس کی وجہ سقراط، شاید یہ ہو کہ میں ابھی نابالغ ہوں"

"اے ڈیموکریٹ کے فرزند تمھارا یہ کہنا ٹھیک معلوم نہیں ہوتا، کیوں کہ نابالغ ہونے کے باوجود، کئی باتیں ایسی ہیں جن کو کرنے کی تمھارے والدین نے تمھیں کھلی چھٹی دے رکھی ہے، لکھائی پڑھائی کا کام تو وہ تم سے ہی لیتے ہوں گے؟"

"ہاں سقراط، یہ کام تو میں ہی کرتا ہوں"

"تو پھر اس میں تم اپنی مرضی پر چلتے ہو گے کہ جس کو چاہو پہلے لکھو اور جس کو چاہو بعد میں، مطالعہ میں بھی تم کو آزادی حاصل ہو گی، بانسری بھی جب تمھاری مرضی ہو بجاؤ اور جس سُر میں چاہو گاؤ، کیا ان معاملات میں وہ مداخلت کرتے ہیں؟"

"بالکل نہیں"

"تو پھر لیسس تم ہی بتاؤ کہ وہ ان معاملات میں کیوں مداخلت نہیں کرتے؟

اور دوسرے امور میں مانع ہیں!"

"میرا خیال ہے سقراط! جن امور کو میں سمجھتا اور جانتا ہوں، ان میں وہ مداخلت نہیں کرتے اور دوسرے امور میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔"

"ہاں تم یہ تک جا پہنچے، مطلب یہ ہوا کہ جب تمھارے باپ کو تمھاری سمجھ کی پختگی کا یقین ہو جائے گا اور تم معاملات کو بہتر طور پر سلجھانے کے قابل ہو جاؤ گے تو وہ اپنی ملک ہی نہیں بلکہ اپنا آپ بھی تمھارے حوالے کر کے الگ ہو بیٹھے گا۔"

"سقراط، یہ کوئی عجیب بات نہیں ہوگی۔"

"میرا خیال یہی ہے، اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ جب تم اپنی سمجھ کی پختگی کا ثبوت دو گے تو کیا تمھارے ہمسائے اور دوسرے کئی لوگ بھی اپنے معاملات اور الجھنوں کو حل کرنے میں تمھاری مدد کے خواہاں ہوں گے؟"

"ہاں میرا خیال ہے وہ بھی میری اہلیت سے فائدہ اُٹھانے کے خواہش مند ہوں گے۔"

"اور کیا تمھارے اہل وطن بھی تمھارے مشوروں کو اہمیت نہ دیں گے اور پیچیدہ امور میں تمھاری رائے کو ضروری نہ سمجھیں گے"؟

"ہاں وہ میری رائے کو ضرور اہمیت دیں گے۔"

"اور ہاں ایشیا کا شہنشاہ دارا والی فارس کیا کرے گا؟ جب اس کے ہاں سالن پک رہا ہو تو کیا وہ اپنے محبوب اور عزیز ولی عہد کو اجازت دے گا کہ وہ جو چاہے ہنڈیا میں پھینک دے یا وہ اپنا باورچی خانہ اپنے اس باورچی ہی کی تحویل میں رکھے گا

جو کھانے پینے میں ماہر ہے اور جس کو نمک مرچ کے اندازے کا علم ہے؟ یقیناً وہ باورچی ہی کے سپرد کرے گا کہ وہ جو چاہے کرے، ولی عہد کو مداخلت کی اجازت نہیں دے گا؟"

"سقراط! تم ٹھیک کہتے ہو"

"اور سنو! اگر ولی عہد کی آنکھیں دکھتی ہوں تو وہ اس آدمی سے علاج کرانے کی اجازت دے گا، جو طب سے ناواقف ہے؟"

"نہیں، ہرگز نہیں"

"کیا معالج چشم کو بھی وہ چیر پھاڑ اور دوا دارو سے روکے گا؟"

"نہیں بالکل نہیں"

"تو پھر اس سے واضح ہو گیا کہ عظیم الشان شہنشاہ ایشیا بھی اُن امور میں جن کو دوسرے لوگ اُن سے بہتر سمجھتے ہیں، بلا توقف ان سے استفادہ کرنے کی کوشش کرے گا"

"یقیناً سقراط! تمھارا یہ نظریہ درست ہے!"

"تو پھر کیا مسئلہ یہ طے پایا کہ جن امور میں ہم نے مہارت حاصل کر لی ہے لوگ اُن کے متعلق ہم پر اعتماد کریں گے اور جن کو سمجھنے اور حل کرنے میں ہم ابھی خام اور ناقص ہیں، ان کے متعلق کوئی بھی ہم پر اعتماد نہیں کرے گا، ہمارے والدین کبھی نہیں، بلکہ ہم خود بھی ان میں دوسروں کی مدد کے محتاج ہوں گے، کیا تم اس سے اتفاق کرتے ہو؟"

"ہاں سقراط، بے شک"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ نکمّے آدمی کو، تم ہو یا میں یا کوئی اور ــ دنیا جہاں میں کوئی بھی بھروسے کے قابل نہیں سمجھے گا، یہاں تک کہ اس کے والدین بھی!"

"ہاں سقراط، معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے"

"پس میرے نورِ نظر! اگر تم علم اور ہنر حاصل کر لو گے تو لوگ تمھیں عزیز جانیں گے پیار کریں گے، تم سے وابستہ ہو جائیں گے، تمھاری قدر کریں گے، کیوں کہ تم اُن کے لئے مفید اور فیض رساں بن جاؤ گے اور اُن کے کام آسکو گے، ورنہ تمھارا پرسانِ حال کوئی نہ ہوگا، یہاں تک کہ تمھارے والدین اور اقربا بھی تم کو خاطر میں نہ لائیں گے!"

برخوردار! یہ مکالمہ سنا کر میں نے تم کو دنیا کے عظیم ترین انسان سے روشناس کرا دیا بلکہ تم کو اس کے خیالات سے بھی آگاہ کر دیا ہے تاکہ تم کو پتا لگ جائے کہ "عزیز اور پیارا" بننے کا واحد ذریعہ حصولِ علم و ہنر و عمل ہے، اور "پیارا بیٹا"، "پیارا بھائی" یا پیارا دوست بننے کے لئے ضروری ہے کہ "تمھارا" جینا" دوسروں کے لئے ہو، ورنہ تمھارا ہونا نہ ہونا برابر ہے!"

تمھارا باپ

(۲)

امرتسر ۶ جنوری ۱۹۴۵ء

کپ لنگ سے میں تمھیں پہلے روشناس کرا چکا ہوں، اُن کی ایک اور نظم "اگر" کے عنوان سے ہے جو اُن کا شاہکار ہے، خطاب اپنے بیٹے سے ہے،

ایک نامور انگریز جرنیل پچھلی عالم گیر کا ذکر کر رہا تھا، اس نے بتایا کہ جنگ کے تاریک ترین لمحوں میں جب حالات ناقابل برداشت ہو جاتے تو میں اس نظم کو اپنی جیب سے نکال کر پڑھ لیتا اور تسکینِ قلب حاصل ہو جاتی، میں نے اس نظم کی ہزاروں کاپیاں انگلستان سے منگوائیں، اگر کسی سپاہی یا افسر کو دل برداشتہ دیکھتا تو اس کو ایک کاپی دے دیتا اس نظم کے پڑھنے سے اُس کے حوصلے بلند ہو جاتے، نظم انگریزی میں ہے، اس کا ترجمہ درج ذیل ہے، اصل بڑے ہو کر دیکھ لینا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اگر تم اپنے اوسان اُس وقت بھی قائم رکھ سکتے ہو، جب کہ تمہارے اردگرد کے لوگ اپنے اوسان کھو بیٹھے ہوں اور تمہیں کو اس کے لئے موردِ الزام بنا رہے ہوں
اگر تم اپنی ذات پر بھروسہ اور اطمینان رکھ سکتے ہو جب کہ تمام لوگ تمہارے متعلق مذبذب ہوں اور تم ان کے اس ابہام کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔
اگر تم صابر رہ سکتے ہو اور صبر کے لمبے عرصہ میں دل برداشتہ نہیں ہوتے
اور تم دھوکہ کھانے کے باوجود کسی کو دھوکا نہیں دیتے
یا نفرت کئے جانے کے باوجود کسی سے متنفر نہیں ہوتے
اور اپنی خوبیوں کی نمائش نہیں کرتے نہ اپنی دانائی کا چرچا
اگر تم خوابوں کی دنیا میں بستے ہوئے، خوابوں کے غلام نہیں بنتے
اگر تم تخیلات رکھتے ہوئے، تخیلات کو اپنا منتہائے مقصود نہیں بناتے
اگر تم فتح اور شکست کو کیساں سمجھتے ہو
اور ان دونوں بہروپیوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔

اگر تم اپنی آنکھوں کے سامنے، اپنی بیان کردہ سچائیوں کا یہ حشر دیکھ کر برداشت کر سکتے ہو
کہ بدمعاش لوگ انھیں احمقوں کو لوٹنے کا آلہ کار بنا رہے ہیں،
یا جن چیزوں کے لئے تم نے اپنی زندگی کا داؤ لگا رکھا ہے
اُن کو اپنی آنکھوں کے سامنے تباہ اور برباد ہوتا دیکھ سکتے ہو
اور اُسی وقت اپنے ٹوٹے پھوٹے اوزاروں سے پھر تعمیرِ نو میں منہمک ہو جاتے ہو
اور تم اپنی تمام کامرانیوں کو یک جا اکٹھا کر کے
ایک ہی داؤ لگا دیتے ہو
اور ہار جانے کے فوراً بعد از سرِ نو مصروفِ کار ہو جاتے ہو
اور اس نقصان کے متعلق ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لاتے
اور اگر تم اپنے اعضا کے مضمحل ہونے کے باوجود
اپنے اعصاب اور دل و دماغ کے بے سکت اور بے جان ہونے کے باوجود اُن کو
مستعد رکھتے ہو اور مصروفِ کار جب کہ تمہارے عزم کے سوا کوئی نہیں
جو اُنھیں بآوازِ بلند کہے جا رہا ہو کہ "تھمے رہو"
اگر تم ناتراشیدہ لوگوں میں رہتے ہوئے بھی نیک طینت بنے رہتے ہو،
اور بادشاہوں کے مصاحب ہونے کے باوجود، عوام سے رابطہ قائم رکھتے ہو
اگر تمام لوگ معقول حد تک تم پر اعتماد اور بھروسہ رکھتے ہیں
اگر تم وقت کی قدر کرتے ہو اور اُس کے جائز استعمال سے واقف ہو
تو پھر سارا جہاں اور اُس کی تمام نعمتیں تمہاری اپنی ہیں،

اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ میرے لخت جگر
تم حقیقتاً ایک انسان ہو!

(۳)

امرتسر ۲ جنوری ۱۹۴۶ء

عزیز القدر وشوا ناتھ،

میرے دادا منشی شنکر داس جو تمھارے پردادا ہوتے ہیں، ۸۰ برس کی عمر میں پرلوک سدھارے، مجھے اُن کی بہت سی باتیں اب بھی اچھی طرح یاد ہیں، وہ اپنا حساب کتاب اور یادداشت فارسی میں لکھا کرتے تھے اور کبھی کبھی میرا فارسی کا سبق بھی سُن لیا کرتے تھے بینائی کمزور ہو گئی تھی مگر اچھی طرح چل پھر لیتے تھے، مرنجاں مرنج بزرگ تھے۔ گردونواح میں سب اُن کا احترام کرتے تھے، اس کا راز یہ تھا کہ انھوں نے کبھی اپنی زبان سے کسی کی بُرائی نہیں کی اور اگر کسی سے سنتے تو ان سنی کر دیتے!

حضرت مسیحؑ نے اپنے دس احکام میں سے پانچویں حکم میں یہ کہا ہے کہ اپنے ہم سایے کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دو تو اُن کا منشا یہ بھی تھا کہ اپنے ہمسایہ کے خلاف الزام تراشی بھی نہ کرو۔ تم جانتے ہو کہ ایسی بے بنیاد باتیں اور فضول گپیں کتنی زیاں کاری کا باعث بن جاتی ہیں اور معصوم آدمیوں کو کتنا نقصان پہنچا دیتی ہیں،

ہمارے گاؤں کا ایک آدمی ڈیرہ بابا نانک جانے کے لئے کشتی پر سوار تھا ایک دوسرے آدمی نے جو بعد میں آیا، اس سے کہا کہ تمھارے گاؤں میں ہیجان بپا ہے تمھارے جانے کے بعد تمھاری بیوی کسی دوسرے گاؤں کے نمبردار کے چھوکرے کے ساتھ بھاگ گئی، تم یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ وہ بے چارہ اسی وقت گاؤں کی طرف بھاگا اور گھر میں بیوی کو چرخہ کاتتے پایا، سرنگوں ہو کر بیٹھ گیا، بیوی کے اصرار پر اُس کو واردات سنائی بیوی نے کہا "پھر کیا ہوا؟ جھوٹ ہمارا کیا بگاڑے گا؟ خاوند نے افسردہ ہو کر کہا، "بیوی! آدمی جو اس وقت کشتی میں بیٹھے تھے کہیں کے کہیں چلے گئے، اُن کو ڈھونڈ کر کہاں سے لاؤں؟"

حضرت محمدؐ سے اُن کے ایک پیرو نے پوچھا کہ میں نے جھوٹی افواہ ایک آدمی کے متعلق پھیلائی تھی، اُس کی تلافی کیوں کر کروں؟ فرمایا کہ گاؤں کے ہر دروازے پر تیتر کا ایک پر رکھ دو اور دوسرے دن میرے پاس آؤ، دوسرے دن آنے پر فرمایا کہ جاؤ رات والے پر سمیٹ لاؤ، اُس نے کہا، حضور رات بھر تو تند ہوا چلتی رہی، پر تو بکھر کر کہیں سے کہیں جا پہونچے، کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں، فرمایا، بے احتیاطی میں تمھاری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کا بھی یہی حال ہے۔

ہم اپنی ضد کو بعض اوقات عزم صمیم کا لقب دے دیتے ہیں اور دوسروں کے استقلال کا نام ہٹ دھرمی رکھ لیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ بدنام کرنے کا

جذبہ ہم اپنے بچاؤ کے لئے پیدا کرتے ہیں۔ سائی کالوجی والوں کا خیال ہے کہ اگر تم کسی آدمی کی خامیوں اور کمزوریوں کو جاننا چاہو تو وہی برائیاں (جو وہ دوسروں میں ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے) اُس میں نمایاں پاؤ گے، اگر تم خود نیلی اور میلی عینک لگا کر دوسروں کا لباس میلا اور گندہ کہو تو یہ کیا بات ہوئی؟

کسی پر نکتہ چینی سے پہلے یہ دیکھو کہ جس بات پر تم انگشت نمائی کرنا چاہتے ہو، اس کی تہ میں کیا راز ہے، اس چینی ضرب المثل کو یاد رکھو کہ "اگر کوئی تمہارے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو تو خیر، دوسروں کو غلط طور پر پیش کرنا، بری حرکت ہے"۔ ہم غیر شعوری طور پر، لوگوں کی پگڑیاں اچھالتے رہتے ہیں اور یہ جاننے کی کبھی کوشش نہیں کرتے کہ حقیقت اور سچائی کیا ہے؟

ایک حسین بیوہ ہمارے پڑوس میں آ کر رہی، اُس کے بچے آوارہ پھرتے رہتے تھے، اور اُس کے ہاں تین چار آدمی آتے جاتے تھے، ہم سایہ میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں، جب ایک دن وہ مرگئی، تو پتا لگا کہ وہ بے چاری دل کی مہلک بیماری کا دورہ پڑتا تو وہ بچوں کو باہر بھیج دیتی، اُس کے پاس آنے والوں میں ایک اُس کا بھائی تھا، دوسرا دیور، تیسرا معالج اور چوتھا جائداد کا منصرم۔ کسی کو برا کہنا ہماری اپنی نیکی پر حرف گیری ہے۔

اس ضمن میں حضرت یسوع کا یہ قول، یاد رکھنے کے قابل ہے:۔

"عیب جوئی نہ کرو کہ تمہاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے، کیونکہ جس طرح

تم عیب جوئی کرتے ہو، اُسی طرح تمہاری عیب جوئی بھی کی جائے گی اور جس پیمانے سے تم ناپتے ہو، اُسی پیمانے سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا، تو کیوں اپنے بھائی کے تنکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر نظر نہیں کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیوں کر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ کا تنکا نکالوں، اے ریاکار! پہلے اپنی آنکھ میں سے شہتیر نکال، پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا۔"

کتنی زبردست تنبیہ ہے دیکھنا!

جب لوگ ایک ناجرہ اور زانیہ عورت پر سنگ باری کرنے لگے تو حضرت یسوع نے یہ کہہ کر کہ "پہلا پتھر وہ پھینکے جس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو" سب کے ہاتھ روک دیئے، اپنے من کو ٹٹولو کہ تم بھی غلطیوں کے پتلے کمزور انسان ہو، کوئی فرشتے نہیں!

امریکہ کے پادریوں نے ایک مجلس بلا کر اپنے لئے چار اصول وضع کیے، (۱) کسی کو بُرا کہنے سے پہلے، خوب غور کرلو، شاید تم خود ہی غلطی پر ہو، باڈلے[۱] نے اپنی تصنیف سرچ آف سیرینٹی[۲] میں لکھا ہے کہ جب میں کسی کے متعلق کوئی بُری بات سنتا ہوں، پہلے تو اُسے یاد ہی نہیں کرتا بصورت دیگر اُس کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں کہ یہ بات کس نے اڑائی اور کیوں کر اڑائی؟ (۲) ہر فعل کا دار اُس کے وجود پر ہے، امریکہ کے سی اوکس[۳] قبیلے کے ہاں یہ ایک دستور ہے کہ

SIOUX ۳ SEARCH OF SERENITY ۲ BODLEY ۱

اُن میں کا کوئی آدمی اگر کسی دوسرے قبیلے کے ہاں جانے کا ارادہ کرے تو جانے سے پہلے آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اُٹھا کر یہ دُعا کرتا ہے "عظیم دیوتاؤ! مجھے توفیق دو کہ کسی کو اچھی طرح جاننے سے پہلے اُس کے متعلق رائے قائم کرنے سے احتراز کروں" اور یہی دُعا ہے جو حضرت محمدؐ نے کی "اے اللہ مجھے اشیائے کائنات کو اُن کے اصلی روپ میں دکھا" (۳) برائیوں سے نگاہ اُٹھا کر، دوسروں کی خوبیوں کی تلاش کرو، اس سے تمھیں بلند نظری حاصل ہوجائے گی، وہ کتنا کم ظرف ہے اور بدتمیز جو باغ میں جاکر پھولوں کی روش سے مُنہ موڑ لیتا ہے اور بوسیدہ کوڑے کرکٹ کے انبار پر کھڑا ہو جاتا ہے، ایک استاد نے بلیک بورڈ پر ایک سفید کاغذ چپکا کر اُس پر ایک چھوٹا سا سیاہ داغ لگادیا اور طلبہ سے پوچھا کہ تم بورڈ پر کیا دیکھتے ہو؟ سب نے بیک آواز کہا "ایک سیاہ داغ" اُستاد نے کہا "افسوس تم نے اتنے بڑے سفید کاغذ کو نظرانداز کردیا مگر اپنی توجہ ایک خفیف سے سیاہ داغ پر مرکوز کردی"

خوبیاں دیکھنے کی کوشش کرو اور پھر دیکھو گے کہ تمھاری اپنی روح کتنی بلند ہوجاتی ہے۔ بُری بات مُنہ سے نکالتے ہوئے چہرے کو آئینے میں دیکھو، پیشانی پر بل پڑجاتے ہیں، چہرہ کی بناوٹ بگڑ جاتی ہے اور بھلا چنگا آدمی بدشکل ہوجاتا ہے مگر خوبی بیان کرتے وقت وہی چہرہ شگفتہ اور بارونق دکھائی دیتا ہے، بُرائی کرکے اپنی بھلی چنگی صورت کیوں بگاڑو؟ (۴) محاسبہ خدا نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے، دوسروں کے گناہ و ثواب کا حساب تم سے نہیں لیا جائے گا اور اس کی گنتی یوم الحساب سے پہلے نہ ہوگی پھر تم کون ہو، کہ لوگوں کے اعمال کا جائزہ لیتے پھرو؟ اس سے زیادہ

کم عقلی کی بات اور کیا ہو گی!

اس لئے عزیز من، اپنے گن اوگن دیکھو اور اپنے آپ کو سنوارنے بنانے کی کوشش کرو۔

تمہارا باپ

(۴)

امرت سر ۲۳ جنوری ۱۹۴۶ء

برخوردار!

زندگی میں کامیابی کا راز یہ ہے کہ آدمی ثابت قدم ہو، جرأت مند ہو، مستقل مزاج ہو، محنت و مشقت سے دل نہ چُرائے، بُردباری اور صبوری سے کام لے اور اپنی ناکامیوں سے مایوس نہ ہو جائے،

زندگی کی تگ و دو میں ناکامیاں بارہا راستہ روک لیتی ہیں مگر یاد رکھو، شکستیں ہی ترقی کا پیش خیمہ ہوتی چلی آئی ہیں، غلطیاں ہی اصلاح کی طرف راغب کرتی ہیں اور پسپائیاں ہی پیش قدمی کی طرف لے جاتی ہیں، راہیں مسدود ہونے ہی پر، ہم جان توڑ کر، دوسری راہیں ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب ایک میدان میں ہم کو شکست ہو جاتی ہے تو ہم اپنے لئے دوسرے میدان ڈھونڈتے ہیں،

عزیز من! قسمت نے اگر دغا دی اور تم امتحان میں اس بار اچھے نمبر نہ لے سکے تو پھر کیا؟

تو اپنی سرنوشت پھر اپنے قلم سے لکھ	خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تری جبیں

زندگی کی یہی ابتدائی شکستیں، آئندہ کی فتوحات کا پیش خیمہ ہیں، تم اپنی قوت عمل کو بروئے کار لاؤ، مستعدی سے اپنے کام میں لگ جاؤ (کیونکہ کامیابی کے لئے قابلیت سے زیادہ محنت کی ضرورت ہوا کرتی ہے) مایوسی کو نزدیک تک پھٹکنے نہ دو یہ جمود پیدا کرے گی اور جمود موت کا دوسرا نام ہے، اگر تم شکستہ دلی سے بچے رہو گے تو یقین رکھو، کامیابی تمھارے قدم چومے گی اور یہ کامرانی تم کو اس لئے بھی پہلے سے زیادہ عزیز ہوگی کہ تم نے انتہائی محنت کے بعد اس کو حاصل کیا ہے، کامیاب صرف وہی ہے جو دل و جان اور روح کی گہرائیوں اور جسم کی پوری صلاحیت سے سرگرم عمل رہتا ہے، عروس کامیابی اس سے کم قیمت پر ملنے سے رہی،

تمہارا باپ

(۵)

امرت سر ۳۰ ستمبر ۴۷ء ۱۹

جان پدر۔

دون کی نہ لو، شیخی نہ بگھارو، ہندوستانیوں نے وقتاً فوقتاً مزاحمت تو ضرور کی مگر ہر میدان میں شکست کھائی۔ یونانی، کشان، ساکا، ہن، جٹو مسلمان، انگریز جو بھی آیا جم کر بیٹھ گیا اور ہمارے تعاون سے ہم پر حکومت کرتا رہا، تاریخ کے طویل دور میں ہندوستانیوں نے صرف چار فتوحات حاصل کیں، ایک مریادا پرشوتم رام نے کی جس کی تقریب میں ہم ہر سال دسہرہ اور دیوالی مناتے ہیں، دوسری مہاتما بدھ نے تسخیر قلب سے کی کہ اب بھی چین، جاپان، تبت، لنکا، تھائی لینڈ اور برما کے دلوں

میں اُس کا راج ہے، ان میں ایک جنگ جارحانہ تھی، دوسری عارفانہ، لیکن دونوں فتح بھی تھیں، چندر گپت موریہ نے ۳۰۵ ق م سلیوکس یونانی جرنیل کو شکست دی اور اُس کو ذلت آمیز شرائط پر صلح کرنی پڑی، سلیوکس کو اپنی بیٹی کا ڈولا اور کابل، ہرات اور قندھار کا علاقہ چندر گپت کو دینا پڑا، مگر سب سے زیادہ عظیم اور ناقابل یقین فتح، جس کو دنیا کی آئندہ نسلیں شائد دماغی اختراع اور محض ایک گپ خیال کریں گی، بغیر فوج، اسلحہ اور سامان کے گاندھی جی نے انگریزوں جیسی ہوش مند، جابر، قاہر قوم سے (جن کی حکومت کے طول و عرض پر سورج دن رات پہرہ دیتا ہے اور جن کی ہیبت اور جبروت سے دنیا لرزہ براندام ہے) پیار، محبت سے حاصل کی اور ہندوستانیوں کو اُن کے چنگل سے ہمیشہ کے لئے چھوڑا کر، ان دونوں[1] ملکوں کو دوستی اور آشتی کے بندھنوں میں جکڑ دیا اور اس سے بھی انوکھی، نرالی اور ان ہونی یہ ہوئی کہ اس "جرم" کی پاداش یا "صلہ" میں اُس کے اپنے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں نے اُسے گولی کا نشانہ بنایا،

بھائی یہی وہ فتح ہے جس پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں اور جس کی بدولت آج ہم سربلند و ممتاز ہیں، ہماری کامرانیوں کا آغاز اس سے ہوتا ہے، یہی ہماری نئی تاریخ کا نیا دور ہے، جسے ہم تم سب کو، اپنے کردار سے کامیاب بنانا چاہیئے۔

بٹیا آؤ، گذشتہ را صلوات، آئندہ کی فکر کریں، تاکہ ہماری اولادیں آزادی اور شادمانی سے ہمکنار رہیں، دنیا کے عظیم مفکر اور شاعر گوئٹے کے الفاظ میں

وطن کے ناموس فرزندو! ایوان کی تعمیر کا آغاز نئے سرے سے کرو

---

[1] ہندوستان و انگلستان

بہترین مسالے سے اُس کی بنیادوں کو نئے سرے سے مستحکم بناؤ
دل کی مضبوطی اور دل جمعی سے مصروفِ کار ہو جاؤ
زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز کرو، تیزی
استقلال اور پامردی سے بلندیوں کی طرف گام زن ہو جاؤ
اونچے، واضح، سریلے اور دلکش سروں میں، پہلے سے بھی،
زیادہ حسین، موثر اور خوش الحان گیت گاتے بڑھے چلو (فاسٹ اآ)

تمہارا باپ

(۶)

امرتسر ۱۳ ستمبر ۱۹۴۸ء

نورِ چشم،

سعدی نے کہا ہے،

آدمی زادہ طرفہ معجونیست | از فرشتہ سرشتہ وز حیواں
گر کند میل ایں شود کم ازیں | ور کند قصد آں شود بہ ازاں

زندگی راحت ہے یا زحمت، جیسی چاہو بنا لو، یہ تمہارا اپنا کام ہے، خوش رہنے میں دام نہیں لگتے، یہ نعمت مفت ہی مل جاتی ہے، اگر گناہوں اور خرابیوں سے دامن بچا کر چلو گے تو تمہاری روح قدرت سے ہم آہنگ ہو جائے گی اور تمہاری سازِ ہستی سے وہ راگ نکلے گا کہ تمہارے مصائب اُس کی لے سے ڈر کر خود ہی بھاگ جائیں گے۔

نہ کلی ہے وجہ نظر کشی نہ کنول کے پھول میں تازگی

فقط ایک دل کی شگفتگی سببِ نشاطِ بہار ہے

خوشی و خرمی، نیکی اور دانائی کی پیداوار ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ آدمی پاک ضمیر اور تن درست ہے، شہد کی مکھی، شہد کی تلاش میں یہ شکایت کرتی نہیں دیکھی گئی کہ اسکی راہ میں کانٹوں کی باڑ ہے یا زہریلے پھول ہیں بلکہ وہ جہاں سے شہد مل سکے، وہیں پہنچ جاتی ہے اور اُن جنگلوں سے دور رہتی ہے، جہاں اُسے شہد میسر نہیں آسکتا۔

بُری سنگت، بُرے کاموں اور بُری کتابوں سے بچ کر رہنا ہی شاداں و فرحاں رہنے کا واحد ذریعہ ہے، راہ راست پر چلنے والا، منزلِ مقصود پر آسانی سے پہنچ جاتا ہے اور ٹیڑھے اور غلط راستے پر چلنے والا، کہیں نہ کہیں ضرور ٹھوکر کھا کر گرتا ہے اور پھر اُٹھنے کی سکت نہیں پاتا اور ختم ہو جاتا ہے،

کڑھنے اور جلنے سے تو خون جلے گا، اس میں زندگانی کا زیان ہے، میری ان باتوں کو ذہن نشین کر لو، تمھاری زندگی کو خوش گوار بنانے میں یہ تمہاری معاون ہو گی،

تمہارا باپ

(۷)

امرت سر ۶ جنوری ۱۹۴۹ء

برخوردار!

انسان خطا و نسیان کا مرکب ہے، یعنی غلطیوں کا پتلا، چاہے وہ کتنا ہی نیک ہو، خطائیں اور غلطیاں اُس سے سرزد ہو ہی جاتی ہیں، اس لئے تم سے غلطی ہو گئی تو کوئی بُری بات نہ ہوئی، بُری بات تب ہوتی کہ تم اپنی غلطی پر اڑے رہتے، غلطی کا اعتراف

کر کے، تم نے اُس کی تلافی کر لی، اور مائل بہ اصلاح ہو گئے۔ یہ بھی قابل قدر بات ہے،
تحقیق کی ابتدا ہمیشہ غلط اندازوں، غیر یقینی نظریوں ہی سے ہوا کرتی ہے،
حقیقت تجربوں اور آزمائشوں کے بعد ہی آہستہ آہستہ رونما ہوتی ہے، اگر محققین
ابتدائی غلطیوں پر جمے رہتے تو نہ تم ریل گاڑی دیکھتے، نہ ہوائی جہاز، نہ ریڈیو، نہ
پنسلین اور نہ دوسری حیران کن ایجادات، ان کا ظہور غلطیوں کی راہ سے اصلاح
کی شکل میں ہوا،

بے خطا ہونے کا دعویٰ خود فریبی، خود بینی اور خود نمائی ہے مگر ہاں ایک بار
غلطی کرنے کے بعد پھر اُسی غلطی کا مرتکب رہنا بڑی حماقت ہے، اس سے بچنا چاہیئے!
اپنی خطاؤں سے آگاہ رہنا بڑی سمجھ بوجھ کی بات ہے، عقل و فراست کا ثبوت ہے،
اور غلطیوں کی اصلاح استعداد اور ظفر مندی کی دلیل، کیونکہ اس طرح کل کا "کھویا
ہوا" تم نے آج "پا لیا"، اور کسی گھاٹے میں نہ رہے،

غلطی پر جمے رہنا بڑی حماقت ہے، چلتے چلتے گر پڑنا تو روز کی بات ہے مگر
گر کر اُٹھنے کا نام نہ لینا اور اوندھے منہ پڑے رہنا، تم ہی بتاؤ کہاں کی دانائی
ہے؟ برخوردار

کہئے نہ بھولا اُس کو ظفر — جو صبح کا بھولا سانجھ گھر آئے

جو راغب اصلاح ہیں، اُن کو "گمراہ" کہنا غلطی ہے "گمراہ" صرف وہی ہیں جو غلط
راستے پہ چلے جا رہے ہیں اور اپنی غلطیوں پہ طمطراق سے ڈٹے ہوئے ہیں،
انجیل مقدس میں آدم کی بھول اور گراوٹ کی کہانی سے تم واقف ہو، آدم نے ممنوع

پھل کھایا، غلطی کی، غلطی کا اعتراف کر لیا، معافی حاصل کر لی، اُس کے اس ایک فعل سے، اُس کی اولاد کو وہ عظمت، بلندی اور برکت نصیب ہوئی کہ خدائے پاک نے اسی آدم کی اولاد میں سے پیغمبروں، اوتاروں اور انبیاء کا انتخاب کیا۔

ابلیس فرشتہ ہی نہیں بلکہ فرشتوں کا اُستاد تھا، اُس نے بھی ایک غلطی کی مگر وہ اپنی غلطی پر قائم رہا، شیطان بن گیا اور ابھی تک شیطان چلا آتا ہے،

عزیز من! غلطیاں کرنا انسانی فطرت ہے، اُن کو تسلیم کر لینا اور اُن کی اصلاح کی طرف راغب ہو جانا، انسانیت ہے، دانائی ہے، نیک بینی ہے اور نیک اندیشی ہے، ضد پر اڑے رہنا، ہٹ دھرمی ہے، نامعقولیت ہے، بدتمیزی ہے اور شیطنت!

تمہارا باپ

(۸)

امرتسر ۱۱ اپریل ۱۹۴۹ء

عزیز من۔

خوش محنت اقوام کا شیوہ ہے کہ وہ اپنی نظر بلند رکھتی ہیں اور اپنے کردار سے زندگی اور کامرانی کا ثبوت دیتی ہیں، تم کو فخر ہونا چاہئیے کہ تم اُس قوم کے ایک فرد ہو، جنھوں نے دنیا کو بلند نظری سے دیکھا اور صرف نیک کرداری کو اپنا نصب العین بنایا، سیم وزر کی ہوس سے بے نیاز رہے۔ تم اپنے اردگرد نظر ڈالو، تو تم کو اپنی قوم میں اہل دول سے کہیں زیادہ اہل دل نظر آئیں گے، جو جاہ وحشمت کو لات مار کر ایثار و قربانی کی زندگیاں بسر کر رہے ہیں، یہ خوبیاں ہم کو ورثہ

یں ملی ہیں، اس لئے ہم ان کے جائز وارث و امین ہیں، ہماری پرانی تاریخ میں بتایا گیا ہے کہ موہیال کیا ہوتے ہیں۔ تم بھی سن لو؛

موہیال کہاوے سو جو اپنا آپ موہیاوے
موہیال کہاوے سو جو سنگل سرن مناوے

موہیال کہلانے کا مستحق صرف وہی ہے جو دوسروں کا بھلا چاہے اور موہیال وہ ہے جس کا عمل صالح ہے اور کردار بلند۔

موہیال کہادیں سو کریں کرتوت چنگیری
موہیال کہادیں سو دان کریں، دلیری

موہیال وہ ہیں جن کا دامن آلائشوں سے پاک ہے، جو دریا دلی سے خیرات کرتے ہیں اور عالی حوصلگی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔

موہیال کہاون کٹھن ہے نکد کہے نہ ہو موہیال
دیوے دلاوے ان بھڑے تب کہئے موہیال

موہیال کہلوانا ایک مشکل چیز ہے، محض کہلوانے سے کوئی موہیال نہ بن سکا، خود خیرات کرے دوسروں کو ترغیب دے، ظلم و استبداد کے مقابلے میں سینہ سپر ہو جائے، تو پھر وہ موہیال ہو سکا،

جان پدر!

ان صفات کو پیدا کرنے کے لئے مضبوط عزم اور مضبوط جسم کی ضرورت ہے، ریاضت و نفس کشی کی ضرورت ہے، ایثار و قربانی کی ضرورت ہے، ان خوبیوں

کو اختیار کرو تاکہ تم بنی نوع انسان کے کام آسکو اور موہیال کہلاؤ۔

تمھیں معلوم ہے کہ ہمارے ہاں اور ہمارے گاؤں (ویرم دتاں۔پاکستان) میں زیارتا صرف شہیدوں اور ستیوں کی مڑھیوں کی ہوا کرتی تھی اور روضہ دھونا منع تھا، کیا تم نے وہاں کسی اہل دول کی سمادھی بھی دیکھی؟

ہمارے متبرک شاستروں کا فرمان ہے "جنماں جایتے شودرا سنسکارا ادہ دوج اُچتے" پیدائش سے سب شودر ہوتے ہیں سنسکار (افعال) اس کو برہمن بناتے ہیں، سو یاد رکھو، تم میرے ہاں پیدا ہو کر موہیال نہ بن گئے، تمھارے اعمال ہی تم کو موہیال بنائیں گے،

تمھیں اور بات بتاؤں، حضرت محمدؐ نے بھی یہی کچھ فرمایا ہے، ذرہ بیان دیکھنا!

"اے لوگو کان کھول کر سُن لو! کہ عربوں کو عجمیوں پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ گوروں کو کالوں پر کوئی فضیلت ہے، سوا ایسی ذاتی خوبی کے جس کے ذریعہ کوئی شخص دوسروں سے "آگے نکل جائے" الوداع ۶

من آنچہ شرط بلاغ است با تو مے گویم

تمہارا باپ

(۹)

امرت سر ۱۳ جولائی ۱۹۵۰ء

برخوردار۔

آزادی کا مطلب یہ نہیں کہ تم جائز ناجائز جو چاہو کرتے پھرو اور تم سے

پوچھنے والا کوئی نہ ہو۔ یہ آزادی نہ ہوئی یہ تو لائسنس ٹھہرا، آزادی کا مطلب یہ ہے کہ تم کرنے کے لایق کام کرو، اگر انسان صرف کرنے کے کام کرے تو پھر لائسنس اور آزادی کے معنی میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں لفظ ہم معنی ہو جاتے ہیں اگر کوئی ناجائز کام کرنا شروع کردے تو اس کا نام آزادی نہیں بلکہ قانون شکنی ہے، بے اعتدالی و زیادتی ہے، موٹر چلانے کی آزادی صرف اُسی کے لئے ہے، جو موٹر چلانا جانتا ہو، دوسرے کے لئے قانون کے مطابق جیل ہے۔

آزادی برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم آزادی کے صحیح معنی سمجھنے کی کوشش کریں، آزادی، ضبط، نظم اور اعتدال کا دوسرا نام ہے، آزادی باطل بھی ہے اور حقیقی بھی، باطل یہ کہ انسان جو چاہے سو کرے اور حقیقی یہ کہ انسان صرف واجب اور مناسب کام کرے اور حقوق مانگتے وقت اپنے متعلقہ فرائض کا بھی خیال کرے مگر ہوتا یہ ہے کہ ہماری زبانوں پر تو "آزادی آزادی" کی پکار ہے مگر حقیقتاً ہم لائسنس کے طالب ہیں اور بھیڑوں کے اُس گلے کی طرح جو دریا کے ڈھلوان کی طرف تیزی سے بھاگا جاتا ہے اور آخر دریا میں ڈوب مرتا ہے، ہم بھی اپنی موت آپ ہی ڈھونڈھ لیتے ہیں۔

دوسری ضروری بات جو تم کو بتانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ ہم کو اپنے سب کام بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیئے، کیونکہ ہماری ذات سے زیادہ ہمارا اپنا خیرخواہ اور خیراندیش کوئی اور نہیں ہو سکتا، کہتے ہیں کہ مارک انٹنی[۱] ، دنیا کا بڑا عظیم الشان بادشاہ ہوتا، اگر وہ سوچ سمجھ سے کام لیتا اور اپنی عقل کو معطل کر کے، کلوپیٹرا

MARKANTONY ۱ LICENSE ۲ (زیادتی)

کے کہنے پر نہ چلتا،

بڑا صرف وہی بن سکتا ہے جو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے منصوبوں کو اعلیٰ خیالات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے۔ اصلاح اور مشورہ لینا مفید چیز ہے کہ دوسروں کا نظریہ معلوم ہو جاتا ہے مگر عمل اپنے ادراک کے مطابق ہی کرنا چاہیئے، ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے۔ جب تم اپنی زیست کے لئے اپنے ہاتھوں سے کھاتے ہو، اپنے معدے سے غذا کو ہضم کرتے ہو، اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو، اپنے پاؤں سے چلتے ہو، اپنی زبان سے بولتے ہو تو پھر اپنے لئے آپ کیوں نہ سوچو!

تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش　　براہ دیگراں رفتن عذاب است

ایک کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ

ازاں کہ پیروئی خلق گمرہی آرد　　نمی رویم براہی کہ کارواں رفتہ است

اس موضوع پر مرزا غالب کی بھی سُن لو، فرماتے ہیں،

بامن میاویز اے پدر، فرزند آذر را نگر　　ہر کس کہ شد صاحب نظر دینِ بزرگاں خوش نکرد

علامہ اقبال کہتے ہیں:۔

نکردم از کسی دریوزۂ چشم　　جہاں را جز بہ چشم خود ندیدم

یہ لکھنے کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ تمہاری یونیورسٹی کے طالب علم آزادی کے نام پر اودھم مچا رہے ہیں اور ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی، اپنے اُستادوں کی پگڑیاں اُچھال رہے ہیں۔ خطرہ ہے کہ کہیں تم بھی کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھو جس سے بعد میں

ندامت اٹھانی پڑے، تم کو چاہیئے کہ تم بدنظمی اور آئین شکنی کی مخالفت کرو، نظم وضبط اور اطاعت سے کام لو اور فرماں برداری سے اُستادوں کی تعظیم کرو، تم اُن کے معنوی فرزند ہو، وہ تمھارے بھلے ہی کی کہیں گے، جذبات کی رو میں بہ جانا نادانی ہے، مفسدوں کی ڈٹ کر مخالفت کرو، یہ کارِ ثواب ہے۔

اگر از دست تو کارِ نادر آید　　　　گناہے ہم اگر باشد ثواب است

تمہارا باپ

(۱۰)

امرت سر ۴ نومبر ۱۹۵۰ء

نورِ چشم!

مذہب کے متعلق اس عمر میں تمھارے لئے صرف اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ خرافیات[1] کو الگ کر دیا جائے، تو تمام مذاہب یکساں طور پر نیکی، دین داری، حق پرستی کے موید و مبلغ ہیں، اس لئے یکساں طور پر قابلِ احترام!

کرشن، یسوع، محمدؐ سب انسانی فلاح، اصلاح اور نجات کے لئے بھیجے گئے تھے اور اس رشتے سے کہ تم بھی انسان ہو، تمھارے لئے بھی اُن کا ظہور ہُوا، یہ بات قطعی اور یقینی سمجھو!

حصولِ تعلیم کے بعد، جب تمھارا ذہن داو ہاگ، پختہ ہو جائے گا تو پھر تمھارے سوچنے کی بات صرف یہ رہ جائے گی کہ یہ عظیم الشان مذاہب، جنھوں نے انسانی قدروں

---

[1] MYTHOLOGY

کو اتنا اونچا اور بلند کر دیا ہے، حق کی تلاش میں کسی حد تک تمہارے معاون اور مددگار ہو سکتے ہیں، پھر آگے چل کر اُن کی تحقیق بھی کر لینا۔

یاد رکھو، سوا ایک خدا کے کوئی دوسرا خدا نہیں، اس کے وجود کو تسلیم کرنا، ازبس ضروری ہے کیونکہ وہی سب خوبیوں، نیکیوں اور رحمتوں کا منبع ہے، دہریہ بننا شیطان سے بھی بڑے شیطان بننے کا دوسرا نام ہے، شیطان صرف نافرمان ہی تھا، دہریہ منکر بھی ہے۔ تمام مذاہب کا مرکز اتحاد صرف خدائے پاک ہی ہے، اس لئے سب راستے اُسی سمت جاتے ہیں اور بقول گیتا " لوگ جس سمت سے بھی آئیں، میں اُن کو خوش آمدید کہتا ہوں" وہ رحیم و غفور اپنی رحمت کے دروازے کھولے، ہماری طرف تک رہا ہے اور نیک کرداری کی دعوت دے رہا ہے۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ | گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگہ ما، درگہ نومیدی نیست | صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

تمہارا باپ

(۱۱)

امرت سر ۴ جنوری ۱۹۵۱ء

جانِ پدر

نور اور نار میں فرق یہ ہے کہ نور حیات افروز ہے اور نار حیات سوز، سنسکرت میں اس کو " اگنی " کہتے ہیں اور اردو میں " آگ " مہابھارت نے ایک معنی خیز

لفظ "اددیتیا"، استعمال کیا ہے، جس کے معنی ہیں "متبرک آگ"، دوسرے لفظوں میں شمس کو "جان بخش شرارہ" کہا گیا ہے، بابل کے ایک گیت میں آگ کو اس طرح خطاب کیا گیا ہے "والی دو جہاں! آسمان کے عالی نسب فرزند! جہان کی تمام اشیاء کی تراش تجھی سے ہے"، مصر میں سورج کے لئے بھی وہی الفاظ استعمال ہوتے ہیں جو آگ کے لئے اور چاند سورج کو اُن کے ہاں دیوتا "پت آ"، کی آنکھیں بیان کیا گیا ہے، ہندوستان میں "اگنی" کو جہاں شمسی خوبیوں کا حامل سمجھا جاتا ہے، وہاں اُس کے متعلق یہ بھی خیال ہے کہ قیامت کے دن سورج کی تپش ہی سے دنیا فنا ہو گی،

امریکہ میں کئی اقوام سورج اور آگ میں رشتہ جوڑے ہوئے ہیں، جنوبی امریکہ کی بولی میں سورج کا لفظ آگ کے لفظ سے ماخوذ ہے اور سورج کو "بھیانک آگ" کے نام سے پکارتے ہیں، اُن کی روایات میں سورج "حیات کو بالیدگی بخشنے والا" اور "تخم حیات" بیان کیا گیا ہے، میکسیکو میں "آگ کا دیوتا" ہی اُن کا قدیمی دیوتا ہے جو ہر طرح کی تقدیس کا سزاوار ہے،

آگ کو دھاتوں سے بھی نسبت دی گئی ہے، مصری دیوتا "ہورس" بیک وقت آگ کا دیوتا بھی ہے اور دھاتوں کا بھی، مصری دیوتا "پت آ" (جو صناعوں کا دیوتا بھی ہے) کی قلمی تصویر میں ظاہر کیا گیا ہے کہ "اس کی داڑھی میں سونے کے بال کھچڑی ہو رہے ہیں"، ہندو گرنتھوں میں بھی سورج اور سونے کا ذکر یک جا آتا ہے، کہ سونا، اگنی کی اولاد میں سے ہے، اگنی کے دانت سونے کے ہیں، داڑھی سنہری ہے

جسم سونے کا، بال بھورے، سواری کا رتھ اور گھوڑے سنہری،

یہ بھی اعتقاد تھا کہ آگ پانی سے پیدا ہوئی تھی اور اسی نسبت سے مہابھارت میں پنجاب کے پانچ دریاؤں کو "آگ کی ماں" کہا گیا ہے،

اگنی دیوتا کی بجلی اور بارش کے دیوتاؤں سے قرابت صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ کئی اور ملکوں میں بھی مانی جاتی ہے، بابلی منتروں اور دعاؤں میں آگ اور پانی میں یک جہتی بتائی گئی ہے، "گیلک" روایات میں جگنو کو بھی آگ کا منظر حقیقی ظاہر کیا گیا ہے کہ پرواز کے وقت روشنی دیتا ہے،

انگلستان میں پارسیوں کی طرح آگ کو بجھنے نہیں دیتے تھے اور اپنے گھروں میں ہر سال "نئی آگ" جلاتے تھے اور اُس کو "آسمانی آگ" کا نام دیتے تھے، میکسیکو اور روم میں آگ کی حفاظت کے لئے کنواری لڑکیاں مامور تھیں، مردوں کو جلانے کی رسم میں بھی یہ جذبہ کارفرما ہے کہ مردہ روحیں آگ کے ذریعہ بہشت میں داخل ہو جاتی ہیں، ہومر[1] کی ای لی آڈ[2] میں اچلیز[3] کے دوست پات روک لس کا بھوت خواب میں آ کر کہتا ہے کہ جب تک میرا مردہ جلایا نہ جائے گا مجھے بہشت نصیب نہ ہوگا، ہومر کی اوڈی سس[4] میں الی پی نور[5] ملاح کی بھی یہی فریاد ہے،

یونانی روایات کے مطابق آگ صرف آسمانوں میں دیوتاؤں کے لئے مخصوص تھی، دنیا والے اُس سے ناآشنا تھے، پرومی تھیس[6] نامی ایک شخص دیوتاؤں کے

---

[1] HOMER [2] ILLIAD [3] ACHILLES [4] ODYSSEUS

[5] ELRENOR [6] PROMETHEUS

ہاں سے آگ چرا کر زمین پر لے آیا، زیوسؔ دیوتا از حد خفا ہوا اور پرومی تھیس کو کوہ قاف کی ایک چٹان کے ساتھ زنجیروں سے جکڑ دیا اور چیلوں کو حکم دیا کہ اس کے گردوں کو بلا ناغہ چیر پھاڑ کر کھا جایا کریں، اس عمل میں ہر روز اُس کے جسم میں دو نئے گردے ڈالے جاتے اور ہر روز چیلیں اُس کا جسم پھاڑ کر گردوں کو کھا جاتیں، وہ بے چارہ شدت درد سے ہر وقت تڑپا رہتا،

اس ضمن میں ایک اور کہانی بھی رائج ہے، آگ کا دیوتا ہیفاسٹوسؔ، زیوس کی اولاد میں سے ہے، یونانی دیوتا عام طور پر خوش شکل اور خوب رو بیان کئے جاتے ہیں مگر یہ بے چارہ بدصورت تھا اور لُولا بھی، اُس کی ماں نے اُس کی شکل سے بیزار ہو کر اس غریب کو آسمان سے زمین پر دے مارا اور اس طرح دنیا والوں کو آگ میسر آ گئی،

ہومرؔ نے اپنی نظموں میں آگ کو آسمانوں کا باشندہ ظاہر کیا ہے، باوقار، دیوتاؤں کے اسلحہ خانے کا محافظ اور کارندہ! اس کے کارخانے میں زریں پیکر لونڈیاں اُس کا ہاتھ بٹانے پر مامور ہیں۔

سکولوں میں داخلے کے وقت طلبا سے آگ کی سوگند لی جاتی تھی، کہ یہ صناعی فنون لطیفہ، بافندگی اور زراعت کا دیوتا مانا جاتا ہے، اس کے علاوہ ایک اور آگ بھی ہے، بڑی ہولناک، جس کے متعلق کہا گیا ہے

آں آتش سوزندہ کہ عشقش لقب است — در پیکر کفر و دیں چو سوزندہ تب است

HEPHAESTOS ؎ — ZEUS ؎

ایمان دگر و کیشِ محبت دگر است ‌ ‌ ‌ ‌ پیغمبرِ عشق نے عجم نے عرب است

تم نے تو صرف لند اور نار کے متعلق پوچھا تھا، ہم نے تم کو وہ کچھ بتا دیا کہ تم نے اپنی کیمبرج کی کتابوں میں بھی نہ دیکھا ہوگا اور وہ بھی بغیر کسی فیس یا معاوضے کے!

تمہارا باپ

(۱۲)

امرتسر ۳ فروری ۱۹۵۱ء

برخوردار!

رات کی بات کا اب ذکر ہی کیا ‌ ‌ ‌ ‌ چھوڑیئے رات گئی بات گئی

ماضی کو چھوڑو، حال کی کہو، زندگی گزرے ہوئے کل کے ساتھ نہیں رک سکتی تھی، اور نہ آنے والے کل کے لیئے آج کی مسرتوں کو چھوڑ سکتی ہے، حال ہی اس کا نمو ہے اور حال ہی اس کی حیات، آئندہ کا کل جب تمہارے سامنے آئے گا تو اس کا نمو بھی "آج" ہی کی شکل میں ہوگا، پھر تم ہی بتاؤ کہ آئندہ کا "کل" ہے کہاں؟ تمہارے تصور میں، تمہارے ذہن میں! کہتے ہیں "آج راجہ سوراجہ" آئندہ کل کے سلطان کو کون جانے! وہ ہے کہاں؟ یہ تخیل و تصور نہیں، حقیقت ہے اور ٹھوس حقیقت، سوداگر نیچے کی دکان کا بورڈ (تختہ)، "آج نقد کل اُدھار" آئندہ کل کے وجود کو، نادہندگاہکوں کے سامنے کس خوبی اور خوب صورتی کے ساتھ پیش کرتا ہے! گر وہ "کل" بھی کسی اور روپ میں نہیں بلکہ "آج" کی شکل میں ہر صبح رونما ہوتا ہے، یعنی "آج" کے بعد کا دوسرا دن بھی "آج" ہی بن کر ہماری نگاہوں کے سامنے

آتا ہے،

اگر کل کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی ہم اپنی غلط اندیشیوں کی بدولت، آئندہ کی پیش بینیوں اور بیش بندیوں میں آج کی مسرتوں کو کھو بیٹھے ہیں اور حقیقت سے منحرف ہو جاتے ہیں، اگر ہمیں "آج" قناعت نصیب نہیں ہوتی تو پھر "کل" بھی ہم اس سے محروم رہیں گے، اگر ہم آج کے حاصل شدہ ذرائع سے فائدہ نہیں اُٹھاتے تو پھر "کل" بھی ہمارا یہی حال رہے گا، اس طرح ہم اُن راحتوں اور مسرتوں کو جو ہم "آج کی رحمتوں اور برکتوں کی شکل میں حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں گے، رومن شاعر ہورس، "آج" اور "کل" کے متعلق اپنے ایک دوست کو لکھتا ہے :-

اس وقت بھی جب کہ ہم بات چیت کر رہے ہیں
حاسد وقت بھاگا جا رہا ہے
"آج" کو کام میں لا اور بھروسہ نہ کر
"کل"، شاید وہ آئے یا نہ آئے

اور لونگ فیلو، امریکن شاعر نے اور بھی واضح اور زوردار الفاظ میں اس حقیقت کو ظاہر کیا ہے

کل کا ذکر کیا، دور کے ڈھول سہاونے معلوم ہوتے ہیں
گذشتہ کل دفن ہو چکا ہے، اس کو چھوڑ کر
"آج" کو کام میں لا کہ زندگی سے بھر پور ہے،

حوصلہ مندی سے اور خدا کے بھروسے پر!

پس نور نظر! "آج" کی خیر مناؤ، "کل" کی رام جانیں" رام" کو سونپے ہوئے کام اپنے ذمے نہ لو، تمھارے کمزور کندھے اس بار عظیم کو نہ اٹھا سکیں گے،

تمہارا باپ

(۱۳)

امرتسر ۱۰ جون ۱۹۵۱ء

عزیزالقدر!

یہ دنیا جس میں ہم تم رہتے ہیں، وفاداری کے بدلے ہم کو غداری دیتی ہے، شکر گزاری کے بدلے کفران نعمت، پیار اور اعتماد کے بجائے نفرت و حقارت اس لئے دنیا والوں کی دوستی اور رفاقت ناپائیدار ہے، اس سے بچنا ہی اچھا ہے، مگر عزیزمن، کتابوں کی رفاقت سود مند ہے اور پائیدار اور یہ نہ ختم ہونے والی دوستی ہے، جس میں زیاں کا کوئی احتمال نہیں " وخیرُ جلیسٍ فی الزّمانِ کتاب" جو اچھی کتاب کو اپنا مونس اور رفیق بنا لیتا ہے اُسے نہ کسی اور وفادار دوست کی ضرورت رہتی ہے، نہ دانش مند مشیر کی، نہ خوش باش ساتھی کی، نہ کسی تسکین دہندہ کی، یہ سب باتیں تم کو کتب بینی سے حاصل ہو جائیں گی،

دنیا کی نعمتیں یونہی نہیں مل جاتیں، حاصل کی جاتی ہیں، دنیا احساسات و خیالات سے نہیں بلکہ عمل ہی سے ظہور میں آئی تھی، سچے آدمی کی معاون صرف سچائی ہی ہوتی ہے اور حق، دانش اور عمل کی بدولت مطالعے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے،

جہالت کا اندھیرا اسی سے دور ہوگا یاد رکھو حقیقت کی ضو فشانیاں ہی زندگی کو منوّر کرتی ہیں، خدا تم کو نیک ہدایت دے، قارون کا خزانہ اور دنیا کی دولت، اُس کے آگے ہیچ ہے بالکل ہیچ۔

بڑھاپا بُری بلا ہے، چیننگ[1] کا قول تو لکھنا ہی بھول گیا، یہ عظیم امریکن پادری کہتا ہے کہ "کتابیں اُستاد کے ڈنڈے کے بغیر، سرزنش یا جھڑکی کے بغیر، معاوضہ یا فیس کے بغیر ہی ہدایت بخش ہیں، اگر تم ان سے ملنا چاہو تو وہ ہر وقت بیدار ہیں اگر اُن کو ڈھونڈنا چاہو تو پوشیدہ نہیں ہیں، اگر تم غلطی کرو تو لعنت ملامت نہیں کرتیں اور اگر جاہل ہو تو تمہارا ٹھٹھا نہیں اڑاتیں" تم کو تجربہ سے معلوم ہی ہے کہ کتابیں ایک خوشگوار معلم ہیں، جتنی بار چاہو پڑھو، حظ اٹھاؤ، اکتانے کی بات ہی نہیں، اسی لئے قدیم مصری اس کو "روح کی دوا" کے معنی خیز نام سے پکارا کرتے تھے!

تمہارا باپ

(۱۴)

امرت سر ۱۳ جولائی ۱۹۵۱ء

برخوردار

تمہارا مجھ سے یہ پوچھنا کہ دنیا میں تمہارا نصب العین (دستور العمل) کیا ہونا چاہئے، بڑا مناسب و موزوں سوال ہے، الفاظ میں تو اس کا جواب سہل ہے مگر اس پر عمل کرنا مشکل۔ انسان سہو و سودا، مکر و فن کا پُتلا ہے، اپنے منصوبوں میں

---

[1] CHANNING

میں اپنے سود و بہبود کا طالب اور غلط روی کی طرف مائل، اچھا ہوا کہ تم نے یہ سوال پوچھ کر حقیقت سے آگاہ کرنے کا مجھے موقع دے دیا،

تمہارا یہ سوال کوئی نیا اور انوکھا سوال نہیں، آج سے ہزاروں برس پہلے یہی سوال کنفیوسش سے اُس کے شاگردوں نے کیا تھا، اس نے جواب میں کہا" تم لوگوں سے ایسا برتاؤ کرو جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تم سے کریں"! یہ ایک عام نصیحت ہے، جو دنیا کے تمام بزرگوں نے کی ہے۔ گوتم بدھ نے اس کے لئے صرف ایک ہی لفظ استعمال کیا ہے "سمان اتماتا" یعنی ویسے ہی جیسے تم آپ، گیتا کا کہنا ہے "وہ جو تمام جہان کو اپنا جیسا سمجھتا ہے، جو دوسروں کے شادی و غم کو اپنا شادی و غم تصور کرتا ہے، وہی یوگی ہے اور سب کا رفیق۔ زرتشت فرماتے ہیں" جو تم اپنے لئے مفید و مناسب سمجھتے ہو، دوسروں کے لئے بھی وہی مناسب و مفید سمجھو" ویدویاس کہتے ہیں" دوسروں کے لئے وہ نہ چاہو، جو تم اپنے لئے نہیں چاہتے، دوسروں کے لئے بھی وہی چاہو، جو تم اپنے لئے چاہتے ہو، یاد رکھو، یہی دھرم (فرض) ہے، حضرت یسوعؑ کا کہنا ہے " تو جیسا چاہتا ہے کہ لوگ تجھ سے سلوک کریں، تو بھی لوگوں سے ویسا ہی سلوک کر، یہی قانون ہے، یہی فرمان" حضرت محمدؐ فرماتے ہیں، سب سے اچھا فریضہ یہ ہے کہ تو دوسروں کے لئے وہی بات پسند کرے جو تو اپنے لئے پسند کرتا ہے، دوسروں کے دکھ درد کو ایسا ہی سمجھے جیسا تو اپنے دکھ درد کو سمجھتا ہے" وید مقدس کا "یاستو سروانی" والا منتر ہزاروں برس پہلے کی کہی ہوئی بات ہے جو حضرت محمدؐ نے فرمائی ہے، نورِ نظر تم علم کے زیور

سے مزین ہو، سوچو، اس ایک بات میں نیکیوں، خوبیوں اور دیانت کو کس طرح مرکوز کر دیا گیا ہے،

"آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند"

ہر کام کی ابتدا میں، ہر عزم کے آغاز میں، ہر مہم سے پہلے، اگر تم اس مقولہ کو سامنے رکھو تو تم کبھی لغزش نہ کھاؤ گے، تم کبھی گم راہ نہ ہو گے۔ دنیا ساری کی ساری تمھاری اپنی بن جائے گی، تمھیں کوئی غیر دکھائی نہ دے گا اور لوگ تمھاری راہ میں آنکھیں اس لئے بچھائیں گے کہ انھیں تم سے خیر خواہی کی توقع ہے۔

تمہارا باپ

(۱۵)

امرت سر ۳ ستمبر ۱۹۵۲ء

نورِ نظر!

میرے سینے کی امنگوں نے مجسم ہو کر — روپ دھارا ہے دل افروز جوانی کا تری
میری شاداب امیدوں کے سہانے سپنے — لائے مرے لئے نوروز جوانی کا تری

میرا ماضی ہے ترے آئینے میں صورتِ حال — میری پیری نے لیا تجھ سے جوانی کا سرور
میری امید نئی، فکر نئی، شوق نیا — میری ویرانیاں پھر ہوتی ہیں تجھ سے معمور

میری راتوں نے نہ تاروں سے اجالا مانگا — میری شامیں نہ ہوئیں سائلِ نورِ مہتاب

جگمگائے تری تنویر سے میرے در و بام ۔۔۔ یہ در و بام فلک رتبہ و خورشید جناب

اے جواں سال! امنگ و تاز کے میدانوں میں ۔۔۔ تیرا رہوار ترقی نہ تھمے اور بڑھے
اے جواں بخت! فضائیں ہوں تری لا محدود ۔۔۔ طائرِ فکر کی پرواز بہر طور بڑھے

تیرا اخلاق، ترا علم، جوانی تیری ۔۔۔ ساری دنیا کے لئے آیۂ رحمت ہو جائے
دل تاآصر کی تمنّا ہے کہ اے وشوا ناتھ ۔۔۔ زندگی ترے لئے خلدِ مسرت ہو جائے

تمہارا باپ

(۱۶)

امرتسر، ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۲ء

برخوردار وشوا ناتھ ۔

اگر کوئی دولت مند بن گیا تو یہ کوئی بڑی بات نہ ہوئی، دولت کسی کو بڑا نہیں بنا سکی، زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ وہ قارون بن گیا اور تم جانتے ہو قارون کہلانا ایک گالی ہے، بڑی غلیظ گالی، اس لئے کہ اُس کا انجام بخیر نہ ہوا، خدا نے اس کے محل کو زمین میں دھنسا دیا اور اُس کا نشان تک بھی باقی نہ رہا،

نیک دلی، نیک خواہی، ایثار اور خُلق، بڑائی کی نشانیاں ہیں، اور حاصلِ زندگی ۔ زندگی کا حقیقی مقصود بلندیوں پر پہنچنا ہے، خوبیوں کو اُجاگر کرنا ہے اور خوب ترین بننا، دولت ایک کمزور سہارا ہے، ہرجائی ہے اور پستی کی طرف

لے جاتی ہے،

اپنے مقدمے کے دوران میں سقراط نے اپنے دشمنوں سے اپنی جان بخشی کی التجا نہ کی، کچھ کہا تو صرف یہ کہ اگر میری اولاد دولت کے پیچھے دوڑے اور نیکی سے منہ موڑے تو اُن کو ملامت سرزنش کرنا" حضرت یسوع کا کہنا ہے کہ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ کا گزرنا ممکن مگر دولت مند کا بہشت میں داخل ہونا محال" دولت کے پیچھے بھاگنا، ذلیل حرکت ہے اس ذلت سے بچو، دین کو گنوا کر دنیا کو حاصل کرنا، سخت حماقت ہے،

بدھ ایک راجہ کا بیٹا تھا، اگر وہ دولت اور حکومت پر لات نہ مارتا اور نیکیوں اور خوبیوں کو نہ اپناتا، تو نہ وہ نروان حاصل کرسکتا اور نہ دنیا کی ایک چوتھائی آبادی آج اُس کی پیرو ہوتی،

برخوردار، حصول علم کو حصولِ دولت کا ذریعہ نہ بناؤ اور عام لوگوں کی واہ وا کو خاطر میں نہ لاؤ، علم، اس لئے حاصل کرو کہ تمھاری عقل تحقیق حق میں تمھاری معاون و مددگار بن سکے اور تم صحیح راستے پر چل کر اپنے طرز عمل سے اوروں کو سیدھے راستے پر لاسکو۔

دلا معاش چناں کن گرت بلغزد پائے
فرشتہ ات بدو دست دعا نگہدارد

یونانی ملاح کی اُس دعا کو کہ یاد رکھو کہ "سمندر چاہے طوفان خیز ہو یا ساکت، سمندر کی دیوی غرق کردے یا کنارے پر لگا دے میں تو ہر صورت میں اپنی

کشتی کے پتوار کو سیدھا ہی رکھوں گا"

بیٹا، زندگی کے مدوجزر میں پتوار کو سیدھا رکھنا ہی بڑا کام ہے۔ باقی سب ہیچ ہے۔

تمہارا باپ

(۱۷)

امرتسر ۳ فروری ۱۹۵۴ء

جانِ پدر،

تمھیں نفرت ہوئی سارے جہاں سے — نئی دنیا کوئی لائے کہاں سے!

دنیا بہت پرانی ہے اور ہم تم اس دنیا میں نووارد ہیں، بلکہ تم مجھ سے بھی زیادہ نووارد! اس کی اصلاح ہمارے تمھارے بس کی بات نہیں، جیسے چلتی ہے چلنے دو۔ سیاہی و سفیدی، تاریکی و روشنی، بدی و نیکی لازم و ملزوم ہیں، اگر ان میں سے ایک نہ ہو تو دوسرے کو کون پہچانے ع

تعرف الاشیاء باضدادھا

(چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں)

تم زید کو اچھا سمجھتے ہو، اس کی تعریف اور ستائش کرتے ہو، تمھارے پڑوس میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اسی زید کو (بغض اور کینے کی وجہ سے نہیں بلکہ نیک نیتی سے، برا سمجھتے ہیں اور جن کو تم برا کہتے ہو، تمھارے گردو نواح میں کئی ایسے ہوں گے جو اُن کو اچھا خیال کرتے ہوں،

تم اپنے قول وفعل سے اپنی زندگی کو سنوارنے اور بنانے کی کوشش کرو، کوئی اچھا ہے تو "چشم ما روشن دلِ ما شاد"، کوئی بُرا ہے تو "تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو" پرائے پھٹے میں پاؤں ڈالنے سے کیا حاصل، وہ خود جانے، قرآن فرماتا ہے "وہ اچھے لوگ جو گزر گئے، اُن کا عمل اُن کو نفع دے گا اور تمھارا عمل تم کو نفع دے گا اور اُن کے اعمال کے متعلق تم سے باز پرس نہ ہوگی"، پھر تم کو خدائی فوجدار اور محاسب کس نے بنایا کہ تم دوسروں کو اپنے تول ناپ سے جانچتے پھرو،

انسان اشرف المخلوقات سہی پھر بھی مسئلہ ارتقا کے مطابق حیوان ہی تن آسانی کی وجہ سے کٹھن منزلوں سے بھاگتا ہے، پستی کی طرف راغب و مائل ہے، گرتا ہے اُٹھتا ہے، اُٹھتا ہے گرتا ہے اور افتاں و خیزاں بڑھے جا رہا ہے، تم زندگی کو اس نظریے سے دیکھو تو تم کو بُرائی کے پردوں میں بھی بھلائیاں ہی نظر آئیں گی، تم اچھا بننے کی کوشش کرو تا آنکہ تم اچھے بن جاؤ پھر ع "اچھے کو ہر اک انساں اچھا نظر آتا ہے"

اور سن لو! دنیا کو بہشت بریں بنانا تمھارے اپنے ہاتھ کا کام ہے، لڑنا جھگڑنا اور تلخ کلامی سے پیش آنا مناسب نہیں، ان سے رنج و تلخی بڑھتی ہی، زندگی چند دن کی بات ہے، نیک اندیشی ہی سے خرمی و شادمانی حاصل ہوتی ہے اور نیک اندیشی سے ہم نرک کو سُرگ بنا سکتے ہیں، تم حضرت مسیح سے تو زیادہ برگزیدہ ہونے کے دعوے دار نہیں ہو، اُن کے منہ پر تھوکا گیا اور وہ چپ رہے

ہر چند ناخوش گوار الفاظ پر آپے سے باہر ہو گئے، مفت میں اپنا خون کیوں جلاتے ہو؟ تمھارا بسورا ہوا مُنہ دیکھ کر "گھر والے" افسردہ ہو جائیں گے، غصّہ تھوک دو ورنہ مُنہ کڑوا رہے گا،

تمہارا باپ

(۱۸)

امرتسر ۳ فروری ۱۹۵۴ء

لختِ جگر!

تم آؤ تو گھر جنت - تم جاؤ تو غم خانہ

تم کو ولایت گئے چار برس ہو لئے، بہت پڑھ لیا، لوٹنے کی بات کرو، بوڑھے باپ کی سُدھ لو، اُس کی آنکھیں تمھارے انتظار میں روزنِ دیوار بنی ہوئی ہیں۔

(۱۹)

امرتسر ۲ مارچ ۱۹۵۴ء

بیٹیا!

بنانا یا بگاڑنا تو اپنے ہی ہاتھ میں ہے

اے آنکہ خلاصۂ چہار ارکانی ۔۔۔ بشنو سخنے ز عالم روحانی

دیوی و ددی و ملک و انسانی ۔۔۔ با تست ہر آنچہ می نمائی آنی

نامور شاعر ہوریس نے اس حقیقت کو اس انداز میں بیان کیا ہے:۔

میں نے اپنی روح کو مخفی طاقتوں کے ذریعہ عالم ارواح میں بھیجا
تاکہ آئندہ زندگی کے حالات سے کچھ واقفیت ہو جائے
کچھ عرصے کے بعد جب وہ واپس آئی تو کہنے لگی
"بہشت بھی میں آپ ہی ہوں، اور دوزخ بھی"

اگر تم کمینہ بننا چاہو تو کمینے خیالات کو جاگزیں کر لو، بلاشبہ کمینے بن جاؤ گے مگر ایسا کرنا خدا کی نعمتوں سے منکر ہو جانا ہے اگر تم خوش رہنا چاہتے ہو، مفید بن کر رہنا چاہتے ہو، اچھا کام کرنا چاہتے ہو تو ان نعمتوں کے لئے جو تم کو بخشی گئی ہیں، شکر گزار ہو کر رہو، نیک بننا اپنے بس کی بات ہے کسی منتر جنتر کی ضرورت نہیں، اپنے آپ کو ضابطے میں ڈھال لینے سے ہی یہ مشکل کام آسان بن جاتا ہے، بزرگ ہستیوں نے یہ رتبہ حاصل کیا ویسے ہی انسان تھے جیسے کہ ہم تم، دو ہاتھوں، دو آنکھوں اور ایک سر والے، کوئی آسمان سے نہ اترتے تھے مگر وہ ضابطے کے پابند تھے، وہ ناخوشگوار حالات میں بھی شگفتہ مزاج رہے، انتہائی کرب میں بھی وہ صابر و شاکر رہے، جب لطف ائل فریاد ہوتا تو وہ لب بند رکھتے، وہ ناسازگاریوں کے باوجود خوش خلق اور نیک اطوار تھے، غرضیکہ ان کی زندگیاں ضبط و نظم میں ڈھلی ہوئی تھیں

بیٹا! نیک اطواری جوہر حیات ہے، بڑی سے بڑی صلاحیت کے باوجود اگر آدمی نیک اطوار نہیں تو وہ بیکار ہے اگر وہ ادیب ہے اور نیک اطوار نہیں تو وہ خود نمائی کا مرقع ہے اگر وہ جرنیل ہے اور نیک اطوار نہیں، تو محض ایک وحشی

لڑ سکا ہے، اور اگر وہ حکیم (فلاسفر) ہے اور نیک اطوار نہیں تو وہ خشک مزاج مراقی کے سوا کچھ نہیں۔ یدھشٹر سے ملک الموت نے پوچھا، کون اوصاف ہیں جو آدمی کو برہمن بناتے ہیں، ولادت، عالی نسبی یا علم؟ جواب دیا، ان میں سے کوئی بھی نہیں، صرف نیک اطواری ہی آدمی کو برہمن بنا سکتی ہے، چاروں وید عمل کا عالم اگر بداطوار ہے تو برہمن کیوں کر بنے گا؟ اُس کے لئے قعر مذلت ہی مقدر ہو چکا ہے، انجیل مقدس میں لکھا ہے "اچھا درخت اچھے پھل لاتا ہے اور بُرے درخت بُرے پھل لاتے ہیں، اچھا درخت بُرا پھل نہیں لا سکتا اور نہ بُرا درخت اچھے پھل لا سکتا ہے جو درخت اچھے پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے، پس اُن کے پھلوں سے اُن کو پہچان لوگے"

برخوردار

تمہاری پہچان بھی تمہارے اعمال (پھلوں) سے ہوگی۔ دنیا کی رسم و آئین یہی ہے، اس سے چھٹکارا ممکن نہیں، نیک خیالات اور نیک جذبات قابل ستائش ہیں مگر میری بات مانو، نیک کرداری اور نیک اطواری ہی انسان کو بلند بنائے گی، اس لئے

بھلائی جتنی بھی تم کر سکتے ہو، کیے جاؤ
ہر ممکن طریقے سے کیے جاؤ
ہر قدم اور ہر مقام پر کیے جاؤ
ہر ساعت اور ہر لمحہ کیے جاؤ

ہر ذی نفس کے ساتھ کئے جاؤ
اور آخری سانس تک بلا دریغ کئے جاؤ!
(جان ویزلےؔ)

(۲۰)

امرت سر ۱۳ مئی ۱۹۵۴ء

برخوردار!

اماؔمی کے متعلق مجھے صرف اس قدر معلوم ہے کہ مجد الدین ہمگر نے اپنے ہم عصر شعرا کے کہنے پر، اماؔمی کے حق میں ایک رباعی کہی، جس میں سعدؔی کو نیچا دکھانا مقصود تھا، رباعی یہ ہے:-

ما گرچہ بنطق طوطیٔ خوش نفسیم | بر شکّر گفتہ ہائے سعدی مگسیم
در شیوۂ شاعری باجماع اُمم | ہرگز من و سعدی بہ اماؔمی نہ رسیم

دیکھنا پہلے شعر میں سعدؔی کو کس طرح ابھارا گیا ہے اور دوسرے شعر میں کس طرح نیچے گرا دیا گیا کہ میں اور سعدؔی اماؔمی کے آگے کیا حیثیت رکھتے ہیں!

"من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو" کے بمصداق، اماؔمی نے بھی ہمگر کی تعریف میں ایک رباعی کہی، اگرچہ ظاہراً سعدؔی کے متعلق کچھ نہ کہا مگر ہمگر کو سحبان زمانہ کہہ کر چھپی چوٹ کردی اور ہمگر کو ہم عصر شعرا میں سب سے زیادہ ارفع اور بلند بنا دیا، رباعی درج ذیل ہے

در صدر بلاغت ارچہ با دست رسم | در عالم نظم ارچہ مسیحا نفسم
دانم کہ بخاک در دستور جہاں | سحبان زمانہ مجد ہمگر نہ رسم

بات یہیں ختم نہیں ہوتی سعدی جو پند ونصائح، اخلاق اور رواداری کا مبلغ تھا، خاموش نہ رہ سکا، تلملایا اور جواب میں بھرپور چوٹ کی!

کرکس کہ بپایگاہ سامی نہ رسد — از بخت بد و سیاہ کامی نہ رسد
ہمگر چو بعمر خویش کرد ست نماز — آرے چہ عجب گربہ امامی نہ رسد

مگر ان سب باتوں کے باوجود امامی کو کون پوچھتا ہے، سعدی اقلیم سخن کا بادشاہ ہے امامی کا دیوان دیکھنے میں نہیں آیا، ایک غزل اُس کی لاجواب ہے جو درج ذیل ہے:۔

یک روز بود عید بیک سال بیک بار — ہموارہ مرا عید ز دیدار تو ہموار
یک روز بشاخ اندر گلبار بود گل — روئے تو مرا ہست ہمیشہ گلِ پربار
یک ہفتہ بہ بیدار بود نرگس دشتی — آن نرگسِ چشم تو ہمہ سالہ بہ بیدار
نرگس بنود تازہ کہ بیدار نباشد — تازہ ہست سیہ نرگس تو خفتہ و بیدار
باشند سمن زاراں بہنگام بہاراں — بر سنبلِ تو ہست ہمہ روزہ سمن زار
از جعد سیاہ تو رسد فیض بہ سنبل — کیں مایۂ جان آمد و آں مایۂ عطار
ایں را وطن از سیم شد آں را وطن از سنگ — ایں از بر سرو سہی آں از بر کہسار
سرو است کہ در باغ ہمہ سالہ بود سبز
با قد تو آں سرو بود کہ ز و نگو ساز

مناسب اور موزوں تشبیہات کا فراہم کرنا ہی ایک مشکل کام تھا مگر اس نے بڑی چابکدستی اور پرکاری سے اُن کو وہ موسیقیت دے دی ہے کہ شاید و باید۔

ڈاکٹر براؤن نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "تاریخ ادب فارسی" کا انتساب اپنی بیوی کے نام سے اسی غزل کے مطلع سے کیا ہے اور اُس کو زندۂ جاوید بنا دیا ہے، میں نے اس غرض سے کہ اچھوں کا ذکر بھی اچھا بنا دیتا ہے، اس غزل کا ترجمہ اُردو میں کیا ہے، اس کو بھی درج کئے دیتا ہوں۔

سال بھر میں عید اک دن ہوتی ہے اور ایک بار
جاودانی عید ہے میرے لئے دیدارِ یار

شاخِ گل پر ایک دن آتا ہے حسنِ برگ و بار
روئے جاناں پر سدا گل آفرینِ فصلِ بہار

باغ میں بھر ایک دن دیکھا بنفشہ پر شباب
زلفِ جاناں کا بنفشہ دائمی پُر پیچ و تاب

ایک ہفتہ نرگسِ دشتی کی ہوتی ہے نمود
نرگسِ چشمِ صنم ہے سال بھر زیبِ شہود

گر نہ ہو بیدار نرگس تازگی اس میں کہاں
نرگسِ چشمِ سیہ پر آ نہیں سکتی خزاں

موسمِ گل میں سمن ہے زینتِ بزمِ حسین
سنبلِ زلفِ صنم ہے روز و شب رشکِ چمن

سنبلِ تر گیسوئے محبوب سے ہے فیض یاب
دولتِ عطار وہ ہے اور یہ جانِ شباب

معدنِ سیم اس کا موطن اور سنگ اُس کا وطن
زینتِ سرو سہی یہ، وہ پہاڑوں کی پھبن

باغ میں سرسبز پایا سرو ہم نے سال بھر
قامتِ محبوب کے آگے ہے وہ بھی سجدہ گر

تمہارا باپ

(۲۱)

امرتسر، ۱۱ اگست ۱۹۵۴ء

عزیز القدر دسوا نائتہ!

مذہب کو تاریخی نقطۂ نگاہ سے دیکھنا اور اُس پر اس نظریہ

سے تنقید کرنا یا اس میں مین میکھ نکالنا، بے کار بات ہے، تم صرف اقوال وارشادات پر غور کرو، موازنے اور مقابلے سے الگ رہو،

تم پچھلے ہفتہ میرے پاس آئے تھے، بکھری اور پراگندہ اشیاء کو تم نے ترتیب دے دی، کوڑا کرکٹ باہر پھینک دیا، کپڑوں کو دھوپ دی، پیغمبروں راہبروں اور اوتاروں نے بھی یہی کچھ کیا، قوم کو برائیوں سے بچایا اور راستی کی تلقین کی یا یوں سمجھو وہ ڈاکٹر تھے جس مریض میں چونے کی کمی دیکھی، اس کو کیلشیم کا ٹیکا دیا اور جس میں لوہے کی کمی پائی اس کو فولاد کی گولی دی، پرہیز تجویز کیا اور آئندہ بیماری سے بچنے کے لئے حفظ ما تقدم کے اصول بنا دئے، ذرا غور سے سوچو، اس کے علاوہ انھوں نے اور کیا کیا مگر یہ کوئی چھوٹا کام نہ تھا بڑا عظیم کام تھا، جس کے لئے ہم سب کو اُن کا شکر گذار ہونا چاہیئے"

ہندو مذہب کا جذبۂ رواداری، یہودی پیغمبروں کی تعلیم انصاف، پارسیوں میں دھرتی ماتا اور اُس کی پیداوار کی عظمت کا احساس، کنفیوشس کا حکومت کے متعلق دانش مندانہ نظریہ، ٹاؤازم کا قدرت کے ساتھ درس تعاون، بدھ دھرم کا جذبۂ ہمدردی و غمخواری، عیسائیت کی عاجزانہ انسانیت اور اسلام کی توحید و مساوات کی تعلیم، ان مذاہب کی بڑی گراں بہا اور عظیم بخششیں ہیں۔ جو انسان کو انسان بنانے میں اس کی معاون اور مددگار ہو سکتی ہیں، اپنی تنگ نظری کوتاہ بینی اور تعصب سے پیدا شدہ کمزوریوں اور کوتاہیوں کو دور کرنے کے لئے، اُس طاقت کی جو ان لفظی تاکیدات سے ہم کو ملتی ہے، آج بھی اتنی ہی ضرورت

ہے جتنی کہ اس سے پہلے تھی!

علم و ادب کی تاریخ میں ویدوں کی شاعری سے زیادہ حسین، عمیق اور بلیغ شاعری کا ملنا محال ہے، چینی گیت اور ٹوٹی کنگ کی غزلیں اور یہودیوں کی غزل الغزلات کی سادگی، موسیقیت اور روانی لاجواب ہے، ہندوؤں کے اُپ نشد، بھاگوت گیتا، پوران اور رہت اپدلش کی سبق آموز کہانیاں دل آویز ہیں، پالی تری پاٹ اور بدھ کے پچھلے جنموں کی کہانیاں اور بدھ گوشا کی تمثیلات اور زندا وستا کے ارشادات روح پرور اور نصیحت آموز ہیں اور قرآن شریف کا دعوئے الہام، ارتقا کی انتہائی بلندی کو ظاہر کرتا ہے۔

مینے چاہا تھا کہ مذاہب کے ان بلند خیالات کو یکجا کردوں مگر میں نے اس مفید لیکن مشکل کام کو اپنی استعداد سے بلند پایا، علاّمہ عرشی اس کام کو بوجہ احسن انجام دے سکتے تھے اور میں نے بعض ترجمے بھی اُن کو فراہم کردئے مگر اُن کی موجودہ صحت اس بوجھ کو اٹھا نہ سکی، تم بھی اہلِ قلم ہو، اگر اس کام کو شروع کردو تو تم خدمتِ خلق کا ایک بڑا ذریعہ بن سکتے ہو، اگرچہ میں ناکارہ آدمی ہوں، پھر بھی جو کچھ مجھ سے بن پڑے گا کوتاہی نہ کروں گا۔

تمہارا باپ

(۲۲)

امرت سر ۱۱ستمبر ۱۹۵۴ء

جانِ پدر۔

گوتم بدھ نے ایک بار اپنے چیلوں سے پوچھا کہ دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچنے کے لئے اگر تم ہزار بار چلاؤ کہ دوسرا کنارا تمھارے پاس آجائے تو کیا یہ ممکن ہو سکے گا؟

سب نے بیک آواز کہا "نہیں" گوتم نے کہا پھر اسی طرح چلانے اور پکارنے سے دیوتا تمھارے پاس آنے سے رہے، تم صرف کشتی کھینے ہی سے کنارے پر پہنچ سکو گے ورنہ نہیں!

یہ بڑی کارآمد نصیحت ہے، زندگیاں باتوں سے نہیں عمل سے بنتی ہیں، تم تخم ناکاشتہ سے غذا حاصل نہیں کر سکتے، لازم ہے کہ زمین پر پہلے ہل جوتو، پھر تخم ریزی کرو، آب یاری اور نگہبانی کرو، پھر میعاد مقررہ کے بعد فصل کاٹو، کھلیان میں ڈالو، چکی میں پیسو، آٹا گوندھو، ایندھن لاؤ، آگ سلگاؤ، روٹی کو توے پر ڈالو اور ہوشیاری سے اتنا تاؤ دو کہ جل نہ جائے، اتنی منزلیں طے کرنے کے بعد، تمھیں پھر غذا نصیب ہوگی!

کل کی بات ہے کہ تم بازار سے صابن کی ایک ٹکیا خرید لائے تھے، محض ٹکیا کا ہونا ہی کافی نہ تھا، اس کو ٹھیک اسلوب سے برتنے پر ہی تم اپنے کپڑوں کو صاف اور اجلا کر سکتے تھے!

اے عزیز، بلندیاں عمل کے بغیر حاصل نہیں ہوتیں، زبان سے گل کرنے والے کو "باتونی" کہتے ہیں اور کچھ کرکے دکھانے والے کو "اولوالعزم" ان دونوں لفظوں کے فرق کو ذہن نشین کر لو!

تم کو گلاب کے پھول مرغوب تھے، تمھارے لئے آسمان سے پھولوں کی بارش نہ ہوئی تھی، بلکہ تم نے اس شوق کو پودے لگا کر بڑی محنت سے پورا کیا تھا، اُستاد مرحوم کیا خوب فرما گئے ہیں کہ حصول مطلب آسان نہیں، راہ میں دشواریاں حائل ہوں گی اور اُن کو سر کرنے کے بعد ہی پھر کہیں منزلِ مقصود تک پہنچنا نصیب ہوگا

طواف کعبۂ مقصود کوئی سہل نہیں ہزار سنگ ہے اور لاکھ خار راہ میں ہے

اور علامہ عرشی، تمھارے اپنے چچا کیا خوب کہتے ہیں،

بما، ز پیروئ شیخ و برہمن نرسی ہزار در رہ ما زمزم است و صد گنگ است

تمہارا باپ

(۲۳)

امرت سر ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۶ء

عزیز من۔ جب تم بچے تھے تو میری راہ تکا کرتے تھے کہ تمھارے کھیلنے اور کھانے کے لئے کوئی چیز لاؤں، جب بڑے ہوئے، مطالبہ صرف پیسوں کا رہ گیا اور تم خود اپنے مذاق کی چیز لاتے اب برسر روزگار ہو، تمھارے مطالبے ختم ہوگئے، اب میں کبھی کبھار کا صلاح کار رہ گیا اور وہ بھی رسمی! مگر باپ ہونے کے رشتے سے، اگر کوئی چیز مجھے پسند آجاتی ہے تو تمھارے لئے لے آتا ہوں، اس میں مجھے

راحت و خوشی محسوس ہوتی ہے،

یہ جاننے کے باوجود کہ تم صاحبِ علم ہو، ادیب اور تنقید نگار ہو، مطالعہ کے دوران میں اگر مجھے کوئی اچھی چیز مل جاتی ہے تو مٹھائی سمجھکر، تم کو دینے کے لئے بیتاب ہو جاتا ہوں، یہ عقل و دانائی کی باتیں، زندگیوں کا نچوڑ ہیں، مٹھائی سے زیادہ شیریں و مفید! ان سے زندگیاں بنتی ہیں، نہیں بلکہ بگڑی ہوئی زندگیاں بھی سنور جاتی ہیں، لو سنو!

(۱) شاداں رہو، خوش و خرّم رہنا تن درست بناتا ہے، دماغ کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

(۲) دکھوں کو سینے میں دبائے رکھو، دنیا کو فرصت کہاں کہ تمھارے دکھوں پر سینہ کوبی کرتی پھرے انھیں خود اپنے کام بہت ہیں!

(۳) شکوہ گزاری سے کیا حاصل،

تمھیں نفرت ہوئی سارے جہاں سے نئی دنیا کوئی لائے کہاں سے

اسی دنیا میں رہنا ہے!

(۴) خندہ پیشانی سے پیش آؤ، تمھارے ملنے والے سیکڑوں ناکامیاں اور آزردگیاں سینے میں لئے بیٹھے ہیں، تمھاری چیں ابرو کو وہ کیا خاطر میں لائیں گے؟

(۵) دوسروں سے بڑا بننے کی کوشش نہ کرو، خود بڑے بنو اور پھر روز اپنے آپ سے بلند ہونے کی کوشش کرو، یہی بہت ہے۔

یہ باتیں بظاہر بہت معمولی دکھائی دیتی ہیں مگر ہیں بڑی کارآمد، اگر قابلِ قدر

سمجھو، تو ان پر عمل کرنا ورنہ ردّی کی ٹوکری میں پھینک دینا، جو تمھارے گھر میں بھی ہے اور دفتر میں بھی!

تمہارا باپ

(۲۷)

امرت سر ۱۳ر اگست ۱۹۵۷ء

عزیز القدر،

مجھ سے پوچھنے کی بات نہیں، اپنے دل سے پوچھو کہ تمھیں کیا "بننا" چاہئے، اگر مجھی سے پوچھنا چاہتے ہو تو اس کے سوا اور کیا کہوں کہ "انسان" بن جاؤ، اس سے بڑی بات دنیا میں کوئی نہیں!

آموڈو مزوؔ میکسکو کا ایک شاعر تھا، اس نے کیا بننا چاہا، تم بھی سن لو!

میں ایک حقیر شعلہ ہوں مجھے کوہ آتش فشاں بنادے
میں نکمّی تانت ہوں مجھے بربط بنادے
میں ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہوں مجھے فلک بوس پہاڑ بنادے
میں ایک ناچیز قطرہ ہوں مجھے بحرِ بے کراں بنادے
میں ایک ادنیٰ پر[1] ہوں مجھے بازو بنادے
میں پست ہمت آدمی ہوں مجھے بلند حوصلہ انسان بنادے

اس میں انتہائی پستی سے انتہائی بلندی پر پہنچنے کی تمنّا کا اظہار ہے، یہی تقاضائے انسانیت ہے کہ آدم خاکی، شعلہ سے اٹھ کر کوہ آتش فشاں، تانت سے بربط، ٹیلے سے فلک بوس پہاڑ، قطرہ سے بحرِ بے کراں، پَر سے بازو، اور

---

[1] پرندے کا پر

پس ہمت آدمی سے بلند فطرت انسان بن جائے،

پھر قدرت نے یہ سب کچھ بننے کی صلاحیت تو ابن آدم کو دے دی، مگر اس کو بروئے کار لانا اُسی پر چھوڑ دیا، اس لئے یہ پوچھنے کی نہیں کرنے کی بات ہے۔

انسان بننے کے لئے ضرورت ہے، ضبط و ریاضت کی، جرأت اور بے خوفی کی، مستقل مزاجی اور نیک جوئی کی، سچائی اور اعتقاد راسخ کی اور یہ خوبیاں ان تھک جد و جہد ہی سے حاصل کی جاسکتی ہیں، باتوں سے نہیں، نیک خیالات اچھی چیزیں ہیں، اگر عمل نہ کیا جائے تو بے کار ہیں، زندگی سانس لینے کا نہیں بلکہ کام کرنے کا نام ہے، ہاتھ پاؤں ہلانے، بھاگنے دوڑنے اور سوچنے سمجھنے کا، دولت کا بھی ایک مصرف ہے، کہ زندگی اطمینان سے گزر جاتی ہے، مگر جوہر حیات اور حاصلِ زندگی محض انسانیت ہے۔

تمہارا باپ

(۲۵)

امرتسر ۱۳ جنوری ۱۹۵۸ء

عزیز القدر!

فارسی کا ایک شعر ہے،

قلم گوید کہ من شاہ جہانم　　　قلم کش را بدولت می رسانم

تمھیں یاد ہوگا تم نے اس شعر کے متعلق ایک کہانی لکھی تھی، جو تمھارے کالج کے

رسالے "شوالہ" میں شائع ہوئی تھی اور بہت پسند کی گئی تھی، تب سے اب تک تمہارے بہت سے مضامین کئی ایک موقر رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں اور تم مستند "قلم کش" بن چکے ہو امید ہے "بدولت یسیدن" کے مرحلے بھی خوش اسلوبی سے طے کر لو گے،

اس تحریر کا منشا تمہاری ستائش نہیں، بلکہ صرف یہ ہے کہ تمھیں ٹوپر کے اُن اشعار سے روشناس کر دیا جائے جو انھوں نے قلم کے متعلق قلم بند کئے ہیں، یہ تمہارے کام آئیں گے، کیونکہ اہل قلم کا ان پر عمل کرنا ازبس ضروری ہے:-

محبت کی رعنائیوں میں ڈوبا ہوا قلم - سورج کی ضو فشانیوں سے زیادہ سُود مند ہے
لطیف خوش خلقی سے مزین قلم - نازنیوں کی مسکراہٹ سے زیادہ آسودگی بخش ہے
نفرت کی سیاہیوں میں ڈوبا ہوا قلم - تلوار کی دھار سے زیادہ زیاں کار ہے
ملامت کی ترش روئی کا مظہر قلم - بدبختی کی جانکاہی سے زیادہ کرب انگیز ہے
اگر مجھ سے پوچھو، دونوں میں سے - کس نے دنیا کو فیض یاب اور شاداب کیا
تو میں بلا خوف تردید یہ کہوں گا - بصیرت افروز نگارش نے

شاعر کا مفہوم واضح اور صاف ہے، نگارش بصیرت افروز ہو تو سودمند ہے فرحت بخش ہے اور فیض رساں، ورنہ کرب انگیز ہے اور زیاں کار، اگر ٹوپر کے اقوال کا خیال رکھو گے تو تمہاری نگارش دل پسند ہو گی اور قابل قدر بھی، اور تمہاری تصنیفات مقبول اور اس سے بھی زیادہ یہ ہو گا کہ "تمہارے قلم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے زیادہ متبرک ہو جائے گی"

تمہارا باپ

TUPER ٹوپر

(۳۶)

امرت سر ۲۳ جولائی ۱۹۵۸ء

برخوردار،

ماں باپ بڑی برگزیدہ ہستیاں ہیں۔ واجب التعظیم اور قابلِ احترام، مگر اس دنیا میں بیٹے سے زیادہ عزیز کوئی اور نہیں کہ اپنی تخلیق ہے، اپنا نام لیوا ہے اور موت کے بعد کی سب رسوم اُسی کے ہاتھوں تکمیل پاتی ہیں، ہمارا آسمانی باپ جو قادر مطلق اور ہمارا رب ہے، اس کو بھی مسیح کو پکارنے کے لئے "یہ میرا پیارا بیٹا ہے" سے زیادہ حسین اور پُراثر الفاظ میسر نہ آسکے، جب دنیا کے گناہوں کا کفارہ دینے کی ضرورت پڑی تو اپنے عزیز ترین متاع یعنی اپنے بیٹے ہی کو مصلوب ہونے کے لئے دنیا میں بھیجا اور جب حضرت ابراہیم کو سب سے زیادہ پیاری چیز کی قربانی دینے کے لئے کہا گیا تو اُس نے بھی اپنے چہیتے بیٹے کو اس برکت کا سزاوار سمجھا۔

میرے استاد بھائی مرزا شجاع شیون مرحوم نے کیا خوب کہا ہے،

تصرفِ ستم عشق بیں کہ تا چند است ... پدر گشتن فرزند خود رضامند است

دنیا کے فاتح، عالمگیر، حکمراں یا دولت مند، سکندر، فرعون اور قارون، جہاں دنیا بھر کو زیرنگیں کرنا چاہتے تھے اور دولت، جاہ وحشم کے واحد لاشریک بننے کے خواہش مند تھے وہاں وہ اس بات کے بھی متمنی تھے کہ اُن کا بیٹا اُن سے بھی بڑھ چڑھ کر چمکے، وہ دنیا بھر کو شکست دینا چاہتے تھے مگر آپ اپنے بیٹے سے مغلوب ہونے کے آرزومند تھے!

ہمارے شاستروں میں بیٹے کا درجہ بڑا اونچا ظاہر کیا گیا ہے، مرتے وقت باپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے لئے ان الفاظ میں دعائے خیر کرے،

"تم نے میرے اعضا سے تخلیق پائی ہے، تم میرے لخت جگر ہو، یقیناً تم میرا اپنا ہی وجود ہو پس تم سو سال تک جیتے رہو، سنگ خارا بن جاؤ، تلوار کی تیز دھار بن جاؤ، ناقابل تسخیر حصار بن جاؤ، نورِ نظر، تم جلال ہو! بس تم سو سال تک جیتے رہو، جیسے خالق اپنی مخلوق کی حفاظت کرتا ہے اور اس کو چھاتی سے لگاتا ہے، میں بھی انھی جذبات کے ساتھ تم سے بغل گیر ہوتا ہوں، اے خدا تو میرے بیٹے کو سعادت اور برکت دے، ملال اُس کے نزدیک تک نہ پھٹکے، وہ سو سال تک جیتا رہے! میں تمھارے سر کو اسی جذبۂ محبت سے چومتا ہوں جس سے گائے اپنے نوزائیدہ بچھڑے کو چاٹتی ہے! میں اپنی قوتِ نطق تم کو دیتا ہوں میں اپنی قوت لمس تم کو دیتا ہوں، میں اپنی قوتِ باصرہ تم کو دیتا ہوں، میں اپنی قوت سماع تم کو دیتا ہوں، میں اپنی قوتِ فکر و عمل تم کو دیتا ہوں، میں اپنی قوتِ تولید تم کو دیتا ہوں، میں اپنی شان، اپنا اقبال، اپنی حشمت، اپنا جلال اپنی نیک شہرت اور آسودگی تم کو دیتا ہوں، بس خدا تمھاری نیک خواہشات کو پورا کرے۔"

اگر کبھی میرا کہنا تمھیں تلخ معلوم ہو تو یہ تمھاری کوتاہ نظری ہے، میں ہمیشہ تمھارے بھلے ہی کی کہوں گا، تم میرے اکلوتے بیٹے ہو، مجھ سے بڑھ کر تمھارا

بھلا چاہنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ شاید ماں ہو سکتی مگر وہ تو تمھاری ولادت کے بعد ہی تم کو بلکتا چھوڑ کر اس دنیا سے کوچ کر گئی، اس لئے میری ان باتوں کی قدر کرو کہ میرے مرنے کے بعد تم کو کڑوی سچائیاں اور ہوش مندی کی باتیں کہنے والا کوئی اور نہ ملے گا

تمہارا باپ

(۲۷)

امرت سر ۱۱۵ کتوبر ۱۹۵۸ء

دوست!

بالیقین ہم سب بھائی ہیں
خدا ہمارا باپ ہے اور دھرتی ہماری مائی
شاہ ہو کہ گدا، بے نوا ہو یا با نوا
خدائی نعمتوں کے برابر کے حصے دار ہیں
برابری میں مہتری، کہتری کہاں
دوست، بالیقیں ہم سبھائی ہیں

دوست!

بالیقیں ہم سب بھائی ہیں
سورج کی ضیا، چاند کی چاندنی
آبِ رواں کی شادابی

گل زار کی دل آویزی
نسیم کی عطر بیزی میں برابر کے حصہ دار ہیں
دوست بالیقین، ہم بھائی ہیں

بھائی! عقل کی آنکھیں کھول، بصیرت سے کام لے
چھلکا پوستا ہے، پھل پر نگاہ رکھ
جسم لبادہ ہے، سیرت کو دھیان میں لا (یا) سیرت کا جائزہ لے
حق و باطل نور و ظلمت کو پہچان
بھائی عقل کی آنکھیں کھول بصیرت سے کام لے

جمود موت ہے حرکت زندگی
نیکی بقا، بدی فنا
اپنے سود و زیاں کو پہچان
بھائی عقل کی آنکھیں کھول بصیرت سے کام لے

(۲۸)

امرت سر ۱۳ ستمبر ۱۹۵۹ء

برخوردار!

مولانا کی عظمت و بلندی کا اعتراف تمہارا باپ بھی نہ کر سکا، یہ حق

تو صرف وہی ادا کر سکتا ہے جو مولانا کا ہم پلّہ ہو، یا اُن سے بلند اور تم دنیا بھر میں نگاہ ڈال دیکھو، تم کو اُن سا تو کیا، اُن کے عکس جیسا بھی کوئی اور نہ ملے گا۔

دستور کی بات ہے کہ مبلغ کردار میں اپنے اپدیش سے اور مصنف عمل میں اپنے تخیل سے بلند نہیں جا سکتا، مگر مولانا نے جو لکھا، اُس سے کہیں زیادہ کہا اور جو کہا اُس سے کہیں زیادہ کیا، یہ بڑے معرکے کی بات ہے، اس کو نہ بھولنا، ہم عصر صرف شخصیت کو دیکھتے ہیں، خوبیوں کو نہیں اور آئندہ نسلیں خوبیوں کی جستجو میں شخصیت کو نظر انداز کر دیتی ہیں، مولانا کی شخصیت بھی اتنی ہی بلند تھی جتنی اُن کی خوبیاں، زندوں میں یا آنے والوں میں بھلا ان کا حق کون ادا کرے گا؟

میں نے اُس یوسف جمال کو اپنے اُستاد حکیم فیروزالدین احمد طغرائیؒ (جو وکیل اخبار میں مترجم و کاتب تھے) کے قدموں کی بدولت قریب سے دیکھا اور بعد میں الہلال، والبلاغ میں، ترجمان القرآن میں، تذکرہ میں، سرمد کی کہانی میں، خطابت میں، دور سے دیکھا، مگر بحرِ بے کراں کا کتنا کچھ دیا جا سکتا ہے، تم ہی اندازہ لگا لو!

اپنا شوق پورا کر دیکھو، مگر یہ نہ بھولنا کہ تمھاری معلومات کا دائرہ اُن کی تصنیفات تک محدود ہے، مولانا محمد اجمل خاں نے اُن کو قریب سے دیکھا، اُن سے استفادہ کرو فائدے میں رہو گے، اگر اس مشکل کام سے تم عہدہ برآ ہو سکے تو تمھاری کامیابی میری مسرت کا باعث ہو گی، میں نے اُن کی رحلت سے متاثر ہو کر

(جو میرے لئے ایک عظیم صدمہ تھا) ایک نظم لکھی تھی، درج ذیل ہے:-

اک جہانِ علم و فضل اک کائناتِ عقل و ہوش — عرشِ اعلیٰ سے زمیں کے نام پیغامِ سروش
ایک کوہِ استقامت، پیکرِ عزم و ثبات — ایک بحرِ بے کرانِ رازہائے کائنات
ایک "انا" پوشیدہ تھیں جس میں "انائیں" صد ہزار — ایک قطرے میں نہفتہ بحرِ ناپیدا کنار
ایک دلِ دانندۂ اسرارِ خلوت گاہِ ذات — اک نظر بینندۂ نظارۂ حُسنِ صفات
فرد ملت میں نہاں، اک ملت، اک قوم، اک جہاں — ایک برگِ گل میں پنہاں رنگ و بوئے گلستاں
وارثِ عہدِ قدیم و خالقِ عصرِ جدید — مصدرِ فکرِ سلیم و مخزنِ خُلقِ حمید
مرجعِ اہلِ سیاست، مرشدِ اصحابِ دیں — مطلعِ انوارِ عرفاں، مشرقِ مہرِ یقیں
رزم میں تیغِ دو دستاں اور بزم میں باغ و بہار — ایک رخ آتش فشاں اور دوسرا رخ لالہ زار
صورتِ مسحور کُن سے یوسفِ مصرِ جمال — نطقِ دلکش سے کلیمِ طورِ عرفان و کمال
زندگی افزا، حیات افروز اُس کا ہر سخن — بہرِ تخلیق تھا صد عزم اُس کا حرفِ "کن"
اس کے ہر ہر لفظ میں صد رمزِ علم و آگہی — اُس کی درویشی کے در پر سرنگوں شاہنشہی
شرحِ وقت کا امین فقہ و سیاست کا امام — وہ فصاحت کا، بلاغت کا، صحافت کا امام
جس نے دیکھا اور سمجھا طرز و طورِ ابوالکلام — اُس پہ ثابت ہے کہ ہے یہ دور، دورِ بوالکلام

قرن ہا باید کہ تا یک مردِ حُر گردد عیاں
عبدہ در ملکِ مصر، آزاد در ہندوستاں

جس کے اک اک لفظ میں پنہاں تھی جانِ زندگی — بزم میں جس کا تکلم تھا جہانِ زندگی
جس کا نطق معجز آرا سر بسر تعمیر تھا — جس کا فکرِ عرش پیما، راز کی تفسیر تھا

ملک ہے محروم آج اُس کی عظمتِ کردار سے — تشنہ ہے ذوقِ ادب اُس ندرتِ افکار سے
چھا گئی ہے چپ خروشِ عشق بے آواز ہے — دفترِ علم و بصیرت آہ بے شیرازہ ہے

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر وفات حضرت آزاد امیر ملک و دیں

دیکھا تم نے؟ میں نے کتنا زور مارا، مگر کیا یہ مولانا کی اصلی تصویر ہے، بیٹا نہیں، بالکل نہیں، یہ تو میری ناکامی کی تصویر ہے، فی ٹن[۱] نے بھی تو سورج کے رتھ کو ہانکنے کی جسارت اور حماقت کی تھی، مجھے بھی اسی زمرے میں شمار کر لو، اور تم بھی کوشش کر دیکھو، خدا تمھیں کامیابی نصیب کرے، مگر اشاعت سے پہلے اپنا مضمون مجھے دکھا لینا اس میں کوئی برائی نہیں۔

تمھارا باپ

۱ـ Phaethon

جناب مدیر حق پسند لاہور

امرتسر ۳ جولائی ۱۹۴۵ء

جناب عالی۔

اشاعت دیروزہ میں آپ کے اخبار گوہر بار میں مندرجہ ذیل اشتہار شائع ہوا تھا، جس کا تراشہ میرے پاس محفوظ ہے۔

"ضرورت ہے ایک برہمن لڑکی عمر ۱۸ سال کے لئے ایک یوگیہ[1] ور[2] کی، لڑکی یتیم ہے، جہیز کے متلاشی خط و کتابت کی تکلیف نہ اٹھائیں، لڑکی امور خانہ داری سے واقف ہے، ضرورتمند ایڈیٹر سے خط و کتابت کریں۔"

اگر جذبۂ ہمدردی دامن گیر نہ ہوتا تو میں اس اشتہار کی طرف متوجہ نہ ہوتا اور اگر آپ کی حق پسندی مجھ پر غالب نہ آتی تو میں آپ کو یہ چٹھی نہ لکھتا، مگر کیا کروں ہلکے دل کا آدمی ہوں، دشمن کو بھی تکلیف میں دیکھوں تو بے چین ہو جاتا ہوں، راتوں نیند نہیں آتی اور سچ سے تو مجھے والہانہ عشق ہے، اگر کوئی میرا زیاں اور نقصان بھی کر دے اور سچ بول دے تو اُسے معاف کر دیتا ہوں۔

آپ نے صرف ضرورت مند لوگوں کو خط و کتابت کرنے کی دعوت دی ہے میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جن کو ضرورت مند کہا جا سکتا ہے میں تو صرف جذبۂ خدا ترسی سے متاثر ہو کر خط لکھ رہا ہوں،

---

[1] قابل شوہر [2] متلاشی

میں ایک نامور گھرانے کا چشم و چراغ ہوں، اشتہاری لڑکیوں کے متعلق بات چیت کرنا ہماری شان اور ہمارے خاندان کی روایات کے خلاف ہے مگر سوچتا ہوں کہ یتیم لڑکی کی دست گیری اگر میں نہ کروں تو پھر اور کون کرے؟

ہماری برادری کی لڑکیاں عام طور پر سندر ہوتی ہیں اور جہیز بھی کافی ساتھ لاتی ہیں مگر یہ باتیں میری دل جیبی کا باعث نہیں، کیونکہ میرا عقیدہ ہے کہ ع

"سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا؟"

اور یہ دولت، یہ تو آنی جانی ہے، ہاتھوں کی میل ہے، یہاں لینے دینے کی کوئی بات نہیں خدا نے بہت کچھ دے رکھا ہے، فریق ثانی کو بار سے بچانے کے لئے ضروری اخراجات کا بھی متحمل ہو سکتا ہوں، یہ صیغۂ راز میں رکھئے، ورنہ دنیا بات کو لے اُڑے گی، یہ بات اطمینان بخش ہے کہ لڑکی امور خانہ داری سے واقف ہے، یہ بڑے کام کی بات ہے گھر ویرانیوں سے بچ جائے گا!

اپنے باغ کے آموں کا ایک ٹوکرا ارسال خدمت ہے، آم شیریں ہیں، دور دور سے لوگ ان آموں کے لئے ہمارے شہر میں آتے ہیں، امید ہے آپ بھی ان کی شیرینی کے قائل ہو جائیں گے،

ہم وضع دار آدمی ہیں، جب ایک بار تعلقات قائم ہو جائیں، تو پھر معاملہ واحد ہو جاتا ہے، جان جائے تو جائے مگر تعلقات نہیں ٹوٹ سکتے، ابھی ابھی ایک رشتہ آیا ہے ٹھکرا دیا، بھائی ایک انار صد بیمار والا معاملہ ہے، جس کی نگاہ اٹھتی ہے، ادھر ہی اٹھتی ہے،

میری عمر ۲۵ سال سے اوپر ہے اور آمدنی دوصد روپیہ سے کم ،صحت بہت اچھی ہے جنم پتری ارسال ہے ،ستاروں کے اُتار چڑھاؤ کے مطابق تین ماہ کے بعد راج یوگ پڑا ہوا ہے ،شادی جلد ہو جائے تاکہ تاج پوشی کے وقت اس دُرِ یتیم کو دُر شاہوار بنا کر تخت و تاج کی زینت بنا سکوں اور اُس کو رانی کے لقب سے ملقب کر سکوں۔

مکرر یہ کہ زیور تو گھر میں بہت ہیں اگر جدید فیشن کا کوئی زیور مطلوب ہو تو بلا تکلف تفصیل ارسال کر دیں بلا توقف خرید کر لیا جائے گا۔

. . . .

(نوٹ) یہ خط ایک ضرورتمند کے لئے لکھا گیا تھا ،ضرورت !اب بھی قائم ہے ،خط میں نفسیاتی نقوش نمایاں ہیں اس لئے مکتوبات میں شامل کر لیا، یہ صاحب اس وقت زندگی کی اُس منزل میں ہیں کہ عروسِ مرگ اُن سے ہم کنار ہونے کے لئے بیتاب ہے مگر وہ شادی کی امید اور دلھن کے چاؤ میں اُس کو جل دئے جا رہے ہیں!

حقیر

برہم ناتھ دت

حکیم محمد سکندر صاحب خضر کے نام

امرت سر ۱۵ جون ۴۷ ۱۹ء

پیارے بھائی،

پیشتر اس کے کہ میری زبان بند ہو جائے، اپنی کہانی میری زبانی سُن لے، کہانی سادہ، مختصر اور غیر رومانی ہے، نہ اُس میں گل و بلبل ہے، نہ دف و چنگ نہ مے و مینا، نہ ہجر و وصال اور نہ ساقیٔ مہوش، بس ایک روکھی پھیکی روداد ہے کہ ایک طفل مکتب تھا، اُس نے اپنے جزدان کو اپنے بازار کے چوراہے میں پھینکا اور ادائے غرور اور شان بے نیازی سے نعرۂ حق لگایا

عمرے ست کہ افسانۂ منصور کہن شد
من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را

چنانچہ وہ قید و بند کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا اور گہرے سکون میں ڈوب گیا، انا الحق کی یہ صدا درختوں نے نسیم سحری سے سنی اور طیور کو سنائی، طیور نے اُس کو اپنی دل کش راگنیوں میں ڈھال کر فضا میں بکھیر دیا، زمانے نے انگڑائی لی، کروٹ بدلی، قلب و فکر کی قوتیں بیدار ہوئیں، تحریک اور حرکت کا دور شروع ہوا، ظلم و استبداد کے ایوان ہل گئے، قید و بند کی زنجیریں ٹوٹ گئیں، ارض و سما میں "انقلاب! انقلاب" کا سامعہ شکن شور بلند ہوا، دنیا زیر و زبر ہو گئی، پھر نہ کوئی بندہ تھا، نہ بندہ نواز، نہ کوئی حاکم تھا، نہ محکوم،

نہ کوئی جابر تھا نہ مجبور،

میرے دوست! میرے رفیق! تمھاری یہ کہانی کتنی پرشکوہ ہے مگر کتنی مختصر!

تمھارا بھائی

برہم ناتھ دت

(نوٹ) بیچارے خضر کا انجام یہ ہوا کہ میں نے زبردستی اُس کو پاکستان میں ڈھکیل دیا، حالانکہ وہ امرتسر کے سورماؤں کے ہاتھوں شہادت حاصل کرنے کے لئے بضد تھا، وہ اپنے سعادت مند اور لائق صاحب زادوں کو چھوڑ کر پھر واپس آگیا اور کس مپرسی کی حالت میں دہلی میں وفات پائی، جہاں وہ مدفون ہے۔ مولوی عبدالغنی ڈار، منشی احمد الدین اور اس حقیر کے سوا دیار وطن میں اس کو کوئی رونے والا بھی میسر نہ آیا۔

پنڈت روپ کشن رازداں کے نام

امرت سر ۱۳ اکتوبر ۴۷ء ۱۹
پوچھتے ہو کیا ہوا؟ ہوا یہ کہ انسان نے انسانیت کو چھوڑا، خدا سے مُنہ موڑا شیطان سے ناطہ جوڑا اور خود سر تا پا شیطان بن گیا ظلمت کی وہ تاریکی چھائی کہ زمانے نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی، تاریخ عالم میں سب سے زیادہ ہولناک واقعہ بخت نصر کے مظالم کا بیان کیا جاتا ہے، جس نے بنی اسرائیل کو قتل و غارت کر دیا تھا مگر ان واقعات کے مقابلے میں اس داستان کی کیا حقیقت؟

ان ہونی یہ ہوئی کہ ملکوتی طاقتوں نے بے بس ہو کر شیطان کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ ان بے پناہ مظالم کا ارتکاب اور اس بے مثل درندگی کا مظاہرہ، مذہب اور دھرم کے نام پر کیا گیا، سچ تو یہ ہے کہ چیر پھاڑ کرنے والے درندوں نے بھی آج تک اپنی نوع کے ساتھ اس قسم کی سفاکی و خوں خواری کا ہولناک انگیز مظاہرہ کبھی نہیں کیا، یہ صدمہ اتنا مہلک، خوفناک اور ملک گیر تھا کہ ہر گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی، لوگ اپنی اپنی سینہ کوبی میں مصروف تھے، کون تسلی دیتا؟ کون آنسو پونچھتا؟

ناگہانی صدمہ زبان کو ساکت کر دیتا ہے اور دماغ کو معطل، میری حالت کچھ ایسی ہی ہے، سنبھالتا ہوں، سنبھل نہیں سکتا، کہنا چاہتا ہوں، زبان نہیں چلتی، بے بس ہوں، اگر میری دل سوزی کو قوت گویائی مل جائے تو اس داستان کو سُن کر یقیناً تمھارا دل کباب

سیخ بن جائے، ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ اُٹھے، اگر تم میرے دل کے اندر جھانک کر اُس تڑپ، جلن اور اس آگ کو جو اس کے اندر نہاں ہے دیکھ سکو، تو سچ جانو، اس آتشِ سوزاں کی ایک ہی لپٹ سے تم جل بُھن کر خاک ہو جاؤ

میں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا، کیوں کر زندہ ہوں، اس کے سوا اور کیا کہوں کہ موت اپنے بس کی بات نہیں، لیکن آنکھیں تپشِ غم سے سوزاں ہیں، میرے لب بند ہیں، آنسو اگرچہ تھم گئے ہیں مگر میرا جسم لرزاں ہے اور میری روح کانپ کانپ اٹھتی ہے، میرے دن اندھیری رات کی طرح تاریک ہو گئے ہیں، نیند اور چین حرام ہو گیا ہے۔

دنیا والے چودہ صدیوں سے ایک واقعہ کربلا کو نہیں بھول سکے، ہر سال ان مقدس مظلوموں کے مصائب کو یاد کر کے اشک ریز و نوحہ خواں ہوتے ہیں، اے عزیزو! اس بدبخت کا کیا حال ہوگا، جس نے اپنی آنکھوں سے ہر گھر میں کربلا کا خونین منظر دیکھا، اپنے جگر گوشوں کو کٹتے، تڑپتے، بلکتے اور مرتے دیکھا، اپنے محبوبوں اور معشوقوں کے گلے پر چھریاں چلتی دیکھیں، اپنے بزرگوں اور مقدسوں کی لاشوں کو خون و خاک میں غلطاں دیکھا!

جی چاہتا ہے، اس پرزۂ کاغذ کو خون کے آنسوؤں سے تر کر دوں، دل و جگر کے ٹکڑے نکال کر اُس پر پھیلا دوں تا کہ تم میرے لامحدود دکھ کا کچھ اندازہ کر سکو، کوئی نہیں جو اس فریاد کے طوفان کا اندازہ لگا سکے، کوئی نہیں جو اس جحیمِ سوزاں کی تاب لا سکے، تم سُن کر کیا کرو گے؟

چرا پیدا شدم من اندریں دور — مرا اے کاش کہ مادر نہ زادے

برہم ناتھ دت

جناب پرتاب ایس سردار بی اے کے نام

امرتسر، جنوری ۱۹۴۸ء

محترم

میرا نام برہم ناتھ[1] ہے، "ملکیت" صرف برائے نام ہے، ذات "دت[2]" ہے صرف "گوت" سے حاتم ہوں، قوم موہیال ہے، با دو شمشیر زن، مگر مفلوج، مختصراً یہ کہ میرا نام دنیا کے مالک اور رازق کا نام ہے اور میں ایک بنئے کا نوکر!

تعلیم دسویں تک ہے، اگر بدبخت اور بدشعار یونی ورسٹی والے امتحان کی الجھن نہ ڈال دیتے تو کم از کم پی۔ ایچ۔ ڈی کے درجہ تک ضرور پہنچ جاتا، حصول تعلیم کے بعد تھانے داری کی کوشش کی مگر قسمت نے یاوری نہ کی، ایک اصطلاحی نکتہ کی بنا پر کہ "سائل کی تعلیم کا معیار پست ہے" میری درخواست کو رد کر دیا گیا اور میرے قامت کی بلندی کو کوئی نگاہ میں نہ لایا مجبوراً سپاہی کی نوکری کے لئے درخواست دے دی مگر اس میں بھی کوئی کامیابی نہ ہوئی، اخبارات میں یہ اعلان کر دینے کے بعد کہ پولیس اور فوج کی نوکری حرام ہے، میں نے ایک بنئے کے ہاں ملازمت کر لی!

قاصر میرا تخلص ہے، ویرم دتاں میرا گاؤں ہے، یعنی وہاں کا رہنے والا ہوں، بغیر لقب کے میرا نام یہ ہے۔

برہم ناتھ دت قاصر ویرمی

---

[1] دنیا کا مالک [2] سخی

اگر میری علمی، وطنی، طبی، تمدنی خدمات کا خیال رکھا جائے تو اس کو یوں لکھنا مناسب و موزوں ہو گا۔

ڈاکٹر حکیم ابوالفصاحت، ابوالاعجاز، کیپٹن، چوہدری
برہم ناتھ دت ویرمی، خادم الہند، فاتح میاں والی

اگر خوش خلقی اور اخلاق کا اظہار بھی مقصود ہو تو کم از کم "عالی جناب" کا اضافہ ضروری ہے، ہاں قاصر میرا تخلص ہے، شاعر نہیں ہوں صرف قاصر ہوں شاعر بننے کی ضرورت بھی نہیں، جس ماحول میں گزر رہے وہاں غالب کے کلام کے مقابلے میں اُستاد امام دین کے اشعار زیادہ مقبول اور مطلوب ہیں البتہ وقار کے لئے تخلص کا ہونا ضروری تھا سو رکھ لیا۔

چوہدری ہمارا خاندانی خطاب ہے، ہمارے بزرگوں میں سے کوئی کبھی کسی پنچائت کا چوہدری بن گیا ہو گا۔ تب سے ہم پشت در پشت چوہدری چلے آرہے ہیں، میرا باپ بھی چوہدری تھا، میں بھی چوہدری ہوں اور بے ہودگی اور بدمذاقی ملاحظہ ہو کہ ہمارے بازار کے خاکروب کو بھی بدتمیز لوگ "چودھری جی" ہی کہتے ہیں۔

"ابوالفصاحت" کے معنی سے ناآشنا ہوں، کہیں دیکھا، میں نے بھی چپاں کر لیا، اگر چاہو، تو تم بھی استعمال میں لا سکتے ہو، ہمارے کامران ملک میں اگر کوئی خاکم بدہن ابوالرب بھی لکھنا اور کہلوانا شروع کر دے تو مضائقہ نہیں، لوگ اُسی نام سے پکارنا شروع کر دیں گے،

ڈاکٹر حکیم کی سند دس روپیہ میں خرید کی تھی، اس لئے ڈاکٹر بھی ہوں اور حکیم بھی۔

کہتے ہیں دام زیادہ دے، دو روپیہ میں بھی مل سکتی تھی،

ایک تھرڈ کلاس کرکٹ ٹیم کا کپتان رہ چکا ہوں اور اگرچہ وہ ٹیم مر کھپ چکی ہے، میری کپتانی کو کوئی آنچ نہیں آئی۔ اب بھی کپتان ہوں!

خادم الہند اس لئے ہوں کہ جنگ آزادی کے عروج کے دنوں میں پولیس والے مجھے زبردستی پکڑ کر لے گئے اور چند ماہ جیل میں بند رکھا،

"فاتح میاں والی" اس لئے ہوں کہ ہم نے کبڈی کے میدان میں اُس گاؤں کی ٹیم کو ایک بار ہرا دیا تھا، عالی جناب اور جناب عالی تو ہمارے ہاں تہذیب کا نشان ہے، ہمارے عالی وقار ملک کا یہ دستور ہے کہ جس کو ہم دل سے حقیر سمجھتے ہیں، الفاظ سے ہم اُس کو بلند بنا دیتے ہیں، حجام کو راجہ کہتے ہیں، کمہار کو پرجاپت، بھنگی کو مہتر اور ایک دوسرے کو "مہاراج"

والدین کے اثر و رسوخ کی بدولت میری پہلی شادی برادری میں ہو گئی تھی، بیوی کی وفات پر بات کا مدار اپنی ذات پر آ ٹھہرا تو برادری غیر برادری بلکہ دنیا جہان میں کسی نے بھی مجھے اپنے قرب کے لائق نہ سمجھا، یتیم خانوں، شادی ایجنسیوں کی خاک چھاننے اور ساری عمر کی کمائی لُٹا دینے کے بعد، ابھی تک رنڈوا ہوں۔

میں جنم سے پاکستانی ہوں اور کرم سے ہندوستانی، اس کا ظہور یوں ہوا کہ خدا نے ہماری زبانی یا تحریری درخواست کے بغیر، اپنی مرضی سے ہمیں ہندو گھرانے میں پیدا کر دیا تھا، یہ فعل ایزدی تھا، ہماری وسعت اور اختیار سے باہر، میرے ہم وطن بھائیوں کو خدا کا یہ فعل پسند نہ آیا، قادر مطلق پر تو کچھ زور نہ چلا، خفگی میرے

باپ پر نکالی، اُس کو قتل کر دیا میں پاکستانی اس لئے نہ رہا کہ میں اُس مقتول باپ کا بیٹا ہوں، جس نے مہاجر بننا گوارا نہ کیا اور اپنے وطن عزیز ہی میں جان دے دی

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

اس لئے میں وہ بدبخت اور کم نصیب انسان ہوں، جس کو تم ہندوستانی ازراہِ حقارت شرنارتھی اور پناہ گزیں اور ازراہ تمسخر پرشارتھی کہتے ہو، یہ ہے میری روداد مگر تم نے اس دریافت کی زحمت کیوں کی؟ میری سمجھ میں نہیں آیا!

خادم

رحیم ناتھ دت۔

جناب گوپال کرشن نیّر کے نام

دارالعشاق

امرتسر یکم اپریل ۱۹۴۹ء

وہ کہتے ہیں ہمیں لیلےٰ بنا کے خود بنو مجنوں
جنوں کے جوش وحشت کا تماشہ ہم بھی دیکھیں گے

یہ کھیل آج شام کو سات بجے شروع ہوگا کب ختم ہوگا، خدا معلوم! رقص بسمل کا یہ تماشا قابلِ دید ہے اور عشاق صادق تک محدود، اگر جی چاہے تو تشریف لائیے، داخلہ ذریعہ ٹکٹ ہے جو ملفوف ہے، پابندئی وقت شرط ہے، آئیے اور دستور کے مطابق پا پیادہ، باچشم گریاں و دل بریاں، برہنہ سر، کفن بردوش اور سر بکف آئیے، کیونکہ یہ شہادت گاہِ الفت ہے،

اگر آپ کی "وہ" آپ کے ساتھ یا اکیلے آنا چاہیں تو نہ اُن کو ٹکٹ کی ضرورت ہوگی اور نہ پابندئی وقت کی، کیوں کہ اُن کے متعلق۔ پہلے ہی سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ

"تم خداوند ہی کہلاؤ، خدا اور سہی"

منتظم

بخشی نویندارام کے نام

امرت سر

۳ جولائی ۱۹۴۹ء

جناب عالی، میرے لخت جگر، نور نظر پرتھمی ناتھ کے متعلق آپ نے جو استفسار کیا ہے، اُس کا جامع اور مکمل جواب میرے بس کی بات نہیں، مجھے اس دنیا میں آئے صرف پینتالیس^{۴۵} برس ہوئے ہیں اور ہوش سنبھالے صرف تیس^{۳۰}، اس سے پہلے کے واقعات میرے علم سے باہر ہیں، بہرکیف جو کچھ جانتا ہوں حاضر ہے،

حسب نسب کے متعلق عرض ہے کہ اگر میں نادر شاہ کے رتبے کا آدمی ہوتا تو میرا جواب یہ ہوتا

پرتھمی ناتھ پسر برہم ناتھ
برہم ناتھ پسر شمشیر
شمشیر پسر شمشیر

لاکھ کروڑ پشت تک ایسے ہی گنتے جائیے! کیونکہ میرے پاس نہ شمشیر ہے اور نہ اُس کو چلانے کی سکت اور نہ اُس کو خریدنے کی توفیق اس لئے اسی جواب پر اکتفا کرتا ہوں، کہ عزیز پرتھمی ناتھ میری منکوحہ بیوی کے بطن سے، میرے اپنے گھر میں پیدا ہوا، وہ میرا بیٹا ہے، کمیٹی کے اندراج میں، کچہری کی مثل میں، پٹواری کے کاغذات میں، یونی ورسٹی کی اسناد میں، حاضری اور تنخواہ کے رجسٹر میں، اس میں کوئی شک و شبہ

کی گنجائش نہیں! اگر میری سمجھ میں نہ آیا کہ شادی تو بر تھمی ناتھ کی مطلوب ہے، باپ دادا تو پہلے مر چکے ہیں یا کفن کی فکر میں ہیں، اُن کا اس معاملہ سے کیا تعلق اور کیا واسطہ! اگر باپ دادا بد اطوار، بدحال اور بداخلاق ہیں اور لڑکا خوش اطوار خوش حال اور با اخلاق ہے تو باپ دادا کی خامیاں اولاد کی زندگی پر کیسے اثر انداز ہو سکتی ہیں، اور اگر باپ دادا اچھے ہیں اور اولاد نابکار، تو بڑے بوڑھوں کی خوبیوں کا مدفون خزانہ اولاد کے کس کام آئے گا،

درخت کی شاخوں سے تو ثمر اور پھول (پھل اور پھول) حاصل ہو سکتے ہیں مگر جڑوں سے تو خاک ہی خاک ملے گی، تم لڑکے کے حسن و قبیح پر غور کرو، والدین کو چھوڑو، نہ وہ اولاد کے ساتھ چل سکتے ہیں اور نہ اولاد اُن کے ساتھ، وہ "بیتا ہوا کل" ہیں اور اولاد "آنے والا فردا"

شمع دل بھی تو سینے میں فروزاں چاہئے — راہ منزل میں چراغِ رہ گزر کافی نہیں

ماں باپ کی بڑائی کہاں تک ساتھ چلے گی، زیادہ سے زیادہ اُن کی زندگی تک، جو اجداد کی تعریف کرتے ہیں، بہرکیف، اپنی نہیں، دوسروں ہی کی تعریف کرتے ہیں، اور اگر خود نالائق ہیں تو بزرگوں کی رسوائی کا باعث ہیں، اُن کے اچھے نام کو داغ لگا رہے ہیں۔

دی شنیدم کہ ابلہے می گفت — پدرِ من امیر و خاں بودہ
فی المثل گُرہ نے تو اند خورد — کہ بعہد قدیم ناں بودہ

صاف بیانی معاف فرمائیے!

خیر اندیش

برہم ناتھ دت

جناب فیروز سائیں صاحب کے نام

امرتسر ۲۵ اگست ۱۹۴۹ء

بھائی،

گلہ بے کار ہے مصیبت میں کوئی کام نہیں آتا اگر آجائے تو پھر مصیبت مصیبت نہ رہے۔ مگر کون آتا ہے؟ اپنے بھی بیگانے ہو جاتے ہیں، اور مصیبت کی تپش ابن الوقت ساتھیوں کو بھگا دیتی ہے اور وہ پاس تک پھٹکنے کا نام نہیں لیتے، لواحقین کو پہچاننے کی صحیح ترازو خوش حالی نہیں بلکہ زبوں حالی ہے، اس لئے جو کچھ تم نے لکھا، بالکل صحیح درست ہے مگر بدبختی میں دوست دشمن پرکھنے کا موقع ضرور مل جاتا ہے،

قتیل اپنا مقدر غم سے بیگانہ اگر ہوتا — تو پھر اپنے پرائے ہم سے پہچانے کہاں جاتے؟

اور ایک ہندی دانا نے بھی کہا ہے:-

بپتا بھی اک رتن ہے جے دن تھوڑے ہو — اس بپتا کے کارنے پرکھ لیا سب کو

تم خود شاعر ہو ذرا "جے دن تھوڑے ہو" کے ٹکڑے پر غور کر لیا، دائمی مصیبت تو ایک عذاب ہو! ہاں! اب ان کو پہچان لو، جب زمانہ آئے گا (خدا کرے جلد آئے) تو یہی لوگ تم کو پھر چمٹ جائیں گے، تم حوصلہ مند آدمی ہو، امید ہے بلند حوصلگی سے مصائب کا مقابلہ کرو گے اور تمھارے قدم امانت اور دیانت میں لغزش نہ کھائیں گے۔

"بر سر فرزند آدم ہر چہ آید بگزرد"

یہ وقت بھی ٹل جائے گا، مصائب کا آنا ایک امتحان ہے، جو اس آگ میں سے نکل گیا

کندن بن گیا، اگر لغزش کھا گئے تو کہیں کے نہ رہو گے، بزرگوں کا نام بھی ڈبو دو گے اور اپنی مصیبتوں میں اور اضافہ کر لو گے، سمٹ کر بیٹھ جاؤ اور صرف خدائے کارساز سے سازگاری کی توقع رکھو، وہ رحیم و کریم، تمھارے جیسے اچھے اور غیور آدمی کو ذلیل اور کمینہ لوگوں کے رحم پر نہیں چھوڑے گا۔ تمھاری مدد کو ضرور آئے گا کیوں کہ لکھا ہے۔

"خداوند میری روشنی ہے اور میری نجات، مجھے کس کی دہشت؟"

"خداوند میری زندگی کا پشتہ ہے، مجھے کس کی ہیبت؟"

"خواہ میرے خلاف لشکر خیمہ زن ہو میرا دل نہیں ڈرے گا"

"خواہ میرے مقابلے میں جنگ برپا ہو تو بھی میں خاطر جمع رہوں گا"

"وہ مجھے اپنے خیمے کے پردے میں چھپا لے گا"

"وہ مجھے چٹان پر چڑھا لے گا"

یقین اور اعتقاد سے اُس کا دامن تھامے رکھو، وہ مشکل کُشا ہے تمھاری مشکلیں حل کر دے گا"، دعا کے سوا میں کیا کر سکتا ہوں، حالات نے تمھیں "غیر ملکی" بنا دیا اور زمانے بھر کی رکاوٹیں ہمارے درمیان کھڑی کر دیں، مل بیٹھنا بھی تو ممکن نہیں اور کیا ہو سکے گا؟ بہر کیف حالات سے آگاہ کرتے رہنا!

خادم

برہم ناتھ دت

پروفیسر بشمبر داس صاحب گپتا کے نام

امرت سر ۶ فروری ۱۹۵۱ء

شفیق دوست!

علامہ عرشیؔ[1] سے سرحد کے اُس مقام پر جس کو ہم ہندوستانی اور پاکستانی بغیر کسی نزاع کے "نومینز لینڈ"[2] کہنے پر رضامند ہو گئے ہیں، میری ملاقات ہوئی وہ ہندوستانی ہیں، میں پاکستانی، مگر وہ پاکستان میں رہتے ہیں اور میں ہندوستان میں، وہ اپنی املاک بحقِ سرکار ہند یہاں چھوڑ گئے ہیں اور میں اپنا ورثہ بحقِ سرکار پاکستان وہاں چھوڑ آیا ہوں، ہم دونوں دوست ہجرت کے وقت صرف اپنے اپنے تلخ تجربے اور تلخ یادیں اپنے ساتھ لا سکے اور وہ باوجود کوشش کے بھولنے میں نہیں آتیں!

دونوں حکومتوں کے نمائندے ہماری گفتگو کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لئے لپکے، ہم نے ازراہِ احتجاج زبانیں بند کر لیں اور اپنی آنکھوں کے پٹ کھول دئے، یہاں تک کہ دس منٹ بیت گئے اور ہم دونوں حکومتوں کے مفاد اور امن عامہ کے مفاد کے تحفظ کے لئے ایک دوسرے سے جدا کر دئے گئے،

جاتے وقت میں نے اپنے سر کے سفید بالوں کا ایک گچھا نوچ کر اپنی یاد کے طور پر اُن کو سونپ دیا کیونکہ اس سے بہتر تحفہ انھیں دینے کے لئے میرے پاس کچھ اور نہ تھا، انھوں نے اپنی جان کاہی اور دل سوزی جو صفحۂ قرطاس پر

---

[1] علامہ محمد حسین صاحب عرشی

[2] NOMAN'S LAND

لکھ رکھی تھی، مجھے سونپ دی اور اب بھی میرے پاس محفوظ ہے اور جان سے زیادہ عزیز!

میرے دوست! میرے عزیز، تم ہمارے گھاؤ کی گہرائیوں کو کیونکر جان سکتے ہو، تم شرنارتھی، پناہ گیر یا مہاجر نہیں! جس کی نہ پھٹی ہو بوائی۔ وہ کیا جانے پیر پرائی ع

"قدر صحت را نداند ہر کہ او بیمار نیست"

نیاز مند

برہم ناتھ دت

جناب سریندر چند مہرہ کے نام

امرتسر ۱۶ فروری، ۱۹۵۱ء

جانِ عم!

میں تمھاری شادی میں شامل نہ ہو سکا، صاحب فراش تھا، ذیابیطس تو خیر پرانی شکایت ہے اس لئے اس کو بیماری نہیں سمجھتا، بخار ہو گیا تھا، درجۂ حرارت بہت اونچا تھا غنودگی کا عالم رہا اور بارہ دن کے بعد آج امرتسر آیا ہوں اور تم کو یہ خط لکھ رہا ہوں، گاؤں میں تیمار داری تو اچھی خاصی ہوئی مگر امرتسر کہاں کہ علاج کی تمام سہولتیں حاصل ہوتیں،

تم کو شادی مبارک ہو، گرہست ایک بڑی کٹھن منزل ہے، بڑے بوڑھوں نے ہر الجھن اور مشکل کا حل نکال رکھا ہے تاکہ آئندہ نسلوں کے کام آسکے، کوٹاگر[1] اور آرٹی سان[2] نے مل کر ایک ہدائت نامہ بنایا تھا، جس پر عمل کرنے سے گھر سُرگ بن جاتا ہے۔ سن لو!

(۱) ازدواجی زندگی کی مسرتوں کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ میاں، بیوی خود پرستی اور خود بینی سے احتراز کریں،

(۲) دونوں بیک وقت غصّے کا مظاہرہ نہ کریں

(۳) تخلیہ ہو یا مجلس ایک دوسرے کے خلاف جلی کٹی نہ کہیں

(۴) ایک دوسرے سے تیز گفتاری سے پیش نہ آئیں

---

۱ Kotaggar ۲ Artisan

(۵) ایک دوسرے کی بات ماننے میں، ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں،

(۶) ایثار تمھارا معمول ہونا چاہیئے،

(۷) نکتہ چینی نہ کریں جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ نکتہ چینی جائز اور ضروری ہے اور پھر بھی اس کو ملائم اور شیریں الفاظ میں کہیں!

(۸) پچھلی غلطیاں یاد نہ دلائیں

(۹) فریقین کی التجاؤں کی تکمیل کے لئے ایک دوسرے کو یاد دہانی کا موقع نہ دیں،

(۱۰) دنیا جہاں نظر انداز ہو جائے تو خیر! ایک دوسرے کو نظر انداز نہ کریں،

(۱۱) ایک دوسرے کی بدخوئی نہ کریں یہ کمینگی ہے،

(۱۲) وداع کے وقت کوئی پیار کی بات کہتے جائیں کہ جدائی کے لمحوں میں اُن کی یاد آتی رہے۔

(۱۳) جب ملیں خندہ پیشانی سے ملیں

(۱۴) اگر کوئی ناراضی کی بات ہو تو سورج ڈوبنے سے پہلے ہی اُسے صاف کر لیں،

(۱۵) اپنی غلطیوں کا فوراً اعتراف کر لیں اور اُس کی تلافی بھی کر دیں۔

(۱۶) بیتی ہوئی مسرت کی گھڑیوں کو کبھی فراموش نہ کریں

(۱۷) آئندہ کی فکر نہ کریں، حال کی خیر منائیں

(۱۸) یہ کبھی نہ بھولیں کہ شادی ایک روحانی بندھن ہے

(۱۹) زندگی کی تنگ و تاریک راہوں میں ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ چلیں!

(۲۰) یاد رکھو! سفر آخرت کے لئے زادِ راہ کا ہونا ضروری ہے!

عزیزمن! یہ ہدایات، عقل و دانش اور تجربے کا نچوڑ ہیں، ان کو غور سے پڑھو اور عمل کرو، تمھاری زندگیاں منوّر اور روشن ہو جائیں گی اور تمھارا گھر سُرگ بن جائے گا کیونکہ تمھارے اطوار تمھاری اولاد پر بھی اثر انداز ہوں گے اس لئے ان پر عمل پیرا ہونا ازبس ضروری ہے۔

دعاگو

برہم ناتھ دت

جناب امیر چند صاحب گپتا کے نام

امرت سر ۲۷ مارچ ۱۹۵۱ء

برادرِ عزیز!

انجیل مقدس میں لکھا ہے کہ خدا نے آدمی کو اپنی مثل بنایا اور اُس میں زندگی کی رُوح پھونک دی! مگر اس اشرف المخلوقات کی شکل وصورت تو دیکھنا، وہ کتّے سے زیادہ شہوت پرست، لومڑی سے زیادہ مکار، شیر سے زیادہ خوں خوار ہاتھی سے زیادہ پیٹو، گدھے سے زیادہ بے دماغ، خچّر سے زیادہ ضدّی، سانپ سے زیادہ زہریلا، اونٹ سے زیادہ کینہ پرور، مگرمچھ سے زیادہ نسل کُش، بلّی سے زیادہ چور، بکری سے زیادہ بزدل، مرغ سے زیادہ اکڑنے والا، کبوتر سے زیادہ خود فریب اور بچھّو سے زیادہ نیش زن ہے، ان جانوروں میں یہ بُرائیاں انفرادی ہیں کسی میں ہیں کسی میں نہیں! مگر یہ اشرف المخلوقات، خدا کا بیٹا ان سب برائیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اور نسلاً بعد نسلٍ اپنی اولاد کو ورثہ میں دے جاتا ہے،

خداوند کریم نے دوسرے جانداروں کے لئے نہ کوئی رسول بھیجا اور نہ کوئی پیغام، ان کے گناہوں کے کفارے کے لئے نہ کوئی مصلوب ہوا، نہ کوئی شفاعتی آیا مگر اس لاڈلے کے لئے خدا نے نہ جانے کتنے پیغمبر بھیجے یہاں تک کہ خود بھی اس نے انسانی جامے میں آنے کی زحمت گوارا کی اور اپنے "اکلوتے بیٹے" کو بھی دار پہ کھنچوایا، اس

اشرف المخلوقات نے دنیا کی ہر بُرائی کو فروغ دیا زمین و آسمان کو زیر و زبر اور سمندروں کو متھ کر رکھ دیا، اس کے ہاتھوں چرند پرند اشجار حیوان حتیٰ کہ کل ارض و سما گریاں اور نالاں ہے، خود زمانہ بھی اُس کے ہاتھوں تنگ ہے،

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں

کوئی دوسرا جاندار جھوٹ سے پہلے آشنا تھا نہ اب ہے، یہ انسانی ایجاد ہے اور اب یہ نت نئی ایجادوں سے کرۂ ہوائی کو زہر آلود کر رہا ہے،

اگر یہی انسان اشرف المخلوقات ہے تو خدارا سوچ کر بتاؤ کہ ارذل المخلوقات تم کس کو کہو گے؟

جواب کا طالب

برہم نا تھ دت

جناب رام لال بھنڈاری کے نام

امرت سر ۱۳ مئی ۱۹۵۱ء

برادرم بھنڈاری صاحب

مسئلہ ارتقا کے متعلق ڈارون، ہکسلے، الفرڈ رسل کی تحقیقات اور نظریات سے آپ کما حقہ واقف ہیں، یہ نظریات کوئی نئے نہیں ہیں، افریقہ، آسٹریلیا، امریکہ اور دوسرے ممالک کے اصلی باشندے، اپنی تخلیق حیوانوں سے، اشجار سے، اور کئی دوسری بے جان چیزوں سے مانتے چلے آئے ہیں اور وہ احتراماً ان اشجار اور حیوانوں کو غذا کے طور پر استعمال میں نہیں لاتے تھے اور اگر لاتے بھی تو تبرک کے طور پر!

مصر کے قدیم بادشاہ اپنے آپ کو سورج کی اولاد کہتے تھے، جاپان کے بادشاہ اب بھی اپنا نسب سورج سے جوڑتے ہیں، ہمارے اپنے ملک میں چندر بنسی، سورج بنسی موجود ہیں، ہنومان کو پون (ہوا) پتر (بیٹا) کہا جاتا ہے اور یہ بھی مانا جاتا ہے کہ خالق نے خود مخلوق بن کر مچھ، کچھ، براج کی شکل میں اوتار لیا، میرے بھائی یہ بھی ارتقا کی منزلیں ہیں،

سکندر اپنے آپ کو زیوس کی اولاد کہتا تھا جو سانپ کے روپ میں اُس کی ماں کے پاس آیا، مہاتما بدھ کی پیدائش اس عمل سے ہوئی کہ ایک سفید ہاتھی نے اُس کی ماں کی دائیں ران پر اپنی سونڈ سے تین بار تھاپ دی، حضرت یسوع روح القدس کی برکت سے کنواری کے بطن سے پیدا ہوئے، یہ معجزہ نہیں ارتقا ہے،

ڈارون سے تقریباً ۶۰۰ برس پہلے مولانا جلال الدین رومی ایک بزرگ گزرے ہیں، تم نے ان کی منظومات ضرور دیکھی ہوں گی، انھوں نے ارتقا کا بیان ان اشعار میں کیا ہے:-

از جمادی مُردم و نامی شدم — مُردم از نامی، بحیواں سرزدم
مردم از حیوانی و آدم شدم — پس چہ ترسم کے ز مُردن کم شدم!
حملۂ دیگر، بمیرم از بشر — تا برآرم با ملائک بال و پر
از ملک ہم بایدم جستن چو — کُل شیئٍ ہالک الا وجہہ
پس عدم گردم عدم چوں ارغنون — گویدم کا نا الیہ راجعون

مطلب یہ ہے کہ میں مادّے سے نباتات بن گیا، نباتات سے حیوان، حیوان سے انسان، اب انسان سے فرشتہ بن جاؤں گا اور اس کے بعد ذات حق میں مل کر "ذات حق" ہی کہلاؤں گا۔

مولانا رومی کے ایک سو سال بعد، ابن یمین نے ارتقا اس طرح بیان فرمایا ہے

زدم از کتم عدم خیمہ بصحرائے وجود — وز جمادی بہ نباتی سفرے کردم و رفت
بعد ازنیم کشش طبع بحیوانی بود — چوں رسیدم بوی ازوی گذری کردم و رفت
بعد ازآں در صدف سینۂ انساں بصفا — قطرۂ ہستی خود را گہری کردم و رفت
با ملائک پس ازآں صومعۂ قدسی را — گرد بر گشتم و نیکو نظری کردم و رفت
بعد ازآں رہ سوی او بُردم و بے ابن یمین — ہمہ او گشتم و ترک دگری کردم و رفت

عدم سے وجود میں آیا، مادہ سے نباتات میں آیا، نباتات سے میں حیوان بنا، حیوان سے

انسان اور انسان سے فرشتہ اور پھر ذات پاک ہی بن گیا (ہمہ اوگشتم) مگر یاد رہے "رفت" کی گردان ابھی قائم ہے، ارتقا ابھی ختم نہیں ہوا، دیکھئے آگے کیا بنتا ہے؟

پارسیوں کے عقیدے کے مطابق، گیومارو نے مرتے وقت ایک تخم جنا، یہ تخم سورج کی ضیا پاشی سے پاک ہوگیا، اس تخم کے دو حصے نریوسنگ کی تحویل میں دے گئے اور تیسرا سپنڈارمد کی تحویل میں! بونے پر درخت اس طور پر بڑھے کہ ان میں نر و مادہ کی تمیز نہ ہو سکتی تھی، ارتقا کی منزلیں طے کرنے کے بعد یہ انسانی قالب میں تبدیل ہوگئے اور اُن میں وہ سانس پھونک دیا گیا جس کو "رُوح" کہتے ہیں، پھر وہ اس مطابقت سے بارور ہوئے کہ اُن کے پھل دس انواع کے انسان ہیں، جن کو علم تشریح النسل والے آرین، سامی، منگول وغیرہ میں تقسیم کرتے ہیں، یہ مسیح سے ہزاروں برس پہلے کی کہی ہوئی بات ہے، یہ ارتقا نہیں تو کیا ہے؟

مادہ پرست سائنس دانوں نے اپنی کم نگاہی اور تنگ نظری کی وجہ سے اپنا رشتہ خدائے لایزال، منبع نورِ حیات سے توڑ کر بندر سے آجوڑا، مشرقی مفکروں کی بلند نظری کا یہ ثبوت ہے کہ انھوں نے ڈارون سے ہزاروں برس پہلے "ہمہ اوست" کہہ کر انسان کو خدا کے بالکل قریب لاکر کھڑا کر دیا، نہیں بلکہ اُس کو خدا کی گود میں ڈال دیا، اکبر الہ آبادی خدا بخشے، کیا خوب کہہ گئے ہیں،

کہا منصور نے خدا ہوں میں — ڈارون بولا، بوزنا ہوں میں
سُن کے کہنے لگے مرے اک دوست — فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

تیا نہ مشد

ہمہ ہم تا ہمہ اوست

جناب پرسوتم داس صاحب مہیشوری ایم اے کے نام

امرت سر ۱۱ مئی ۱۹۵۴ء

محترم۔

آپ کا کہنا صحیح کہ وید الہام ہے اور اقوام آریہ کی قدیم ترین تصنیف ۔ میں اس میں یہ اضافہ اور کرنا چاہتا ہوں کہ علم و ادب کی تاریخ میں ویدوں کی شاعری سے بہتر شاعری کا ملنا بھی مشکل ہے۔ شاعرِ مشرق نے "آفتاب" کے عنوان سے گائیتری منتر کا منظوم ترجمہ شائع کیا تھا اُس کی تمہید میں وہ اپنی معذوریوں کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔

"لیکن اس خاص صورت میں دقت اور بڑھ گئی کیونکہ اصل الفاظ کی موسیقیت اور وہ طمانیت بخش اثر جو اُن کے پڑھنے سے دل پر ہوتا ہے اُردو میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ گائیتری کے مصنف نے اپنے اشعار میں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن میں حروف علّت اور صحیح کی قدرتی ترکیب سے ایسی موسیقیت پیدا ہو جاتی ہے جس کا غیر زبان میں منتقل کرنا ناممکنات میں سے ہے، ترجمہ کرنے کو میں نے کر دیا مگر مجھے اندیشہ ہے کہ سنسکرت داں اصحاب اسی پر وہی رائے قائم کریں گے جو جیب بین نے پوپ کا ترجمہ ہومر پڑھ کر کی تھی یعنی شعر تو خاصے ہیں مگر گائیتری نہیں۔"

میں نے بھی وید کے ایک منتر کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے، آپ صاحبِ علم ہیں، دیکھئے کس حد تک کامیاب ہوا ہوں ؟ اگر آپ یہ ترجمہ پسند کریں گے تو

اپنی کوشش جاری رکھوں گا اور دوسرے منتروں کا بھی ترجمہ پیش کرتا رہوں گا تاکہ اردو خواندہ اصحاب بھی ویدوں کی عظمت اور بلندی سے آگاہ ہو جائیں یہ ایک ادبی شاہ پارہ ہے، ملاحظہ فرمائیے، عنوان ہے

"اوشا"

(۱)

اے خوب رو خاتون! تو مسکراتی ہے باندازِ صد رعنائی
اجاگر کرتے ہوئے اپنے لازوال حُسن کی بہاروں کو
اپنے پُر نور سینے کے ابھار کو، اپنے رُخِ روشن کو
اور اپنے سنہرے بالوں کی پیچ و پیچ کو

(۲)

تو اُس ستانی اور دل ربا دلہن کی طرح موہنی ہے،
جس نے آبدار اور فاخرہ لباس میں اپنے آپ کو ملبوس کر رکھا ہے
اور جو اپنے شوہر کی متعجب اور پُر اشتیاق نگاہوں کے سامنے
اپنے متاعِ حُسن کو شوخی اور بے باکی سے نمایاں کرتی ہے

(۳)

یا تو ایک جمیلہ ہے جو اپنی ماں کے ہاتھوں آراستہ پیراستہ
اپنے حُسن کے جلال اور عظمت میں مست اور سرشار ہے
جس کی ہر نگاہ سے مترشح ہے ایسا سحرِ حسن جو

جاذب النظر بھی ہے اور دلوں کو موہ لینے والا بھی

(۴)

یا تو ایک رقاصہ ہے، جو اپنے نغموں کے سحر اور پازیب کی جھنکار سے
زرق برق لباس کی رعنائیوں، اشاروں اور کنایوں
کی عشوہ گری سے، اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے، اپنے سامنے
بیٹھے ہوئے دم بستہ اور مشتاق جم غفیر کو

(۵)

یا تو ایک دوشیزہ ہے جو شائق ہے اپنے سیمیں بدن کو غسل دینے کی
دور جنگل میں مستور کسی خنک و شیریں ندی میں
ناتراشیدہ اور نامحرم نگاہوں کی دست برد سے محفوظ
اور لہروں سے ابھرتی ہے پہلے سے بھی زیادہ دلربا بن کر

(۶)

مگر تیری کچھ پیش نہیں چلتی، دل پھینک اور رسیا سورج کے آگے
جو بے تابی اور تیز روی سے تیرے تعاقب میں ہے
جلد ہی اس دوڑ میں تو ہار کر، چور ہو کر، گر پڑتی ہے، اُس کی آغوش میں
اور فنا کر دیتی ہے خود کو اُس کی ہستی میں

(۷)

حسین اوشا! تو اپنی پشت پر لادے ہوئے ہے ان گنت صدیوں کے بوجھ کو

پھر بھی تو نیا جنم لیتی ہے، ہر آنے والی نئی صبح کی طلوع کے ساتھ
اس لئے تو نوخیز بھی ہے اور سال خوردہ بھی،
آپ نے دیکھ لیا، ویدوں کا شاعر، الفاظ اور خیالات کی کتنی دل کش اور نادر تصویر
تمھارے سامنے پیش کرتا ہے کہ بن پیئے نشہ آجاتا ہے،

نیازمند

برہم ناتھ دت

جناب لال چند صاحب مہرہ کے نام

امرت سر ۱۵ اپریل ۱۹۵۶ء

محبی!

یاد آوری کا شکریہ قبول فرمائیں، لوگ اب بھی حافظ، غالب اور ہیر وارث شاہ سے فال نکالتے ہیں اور اپنی اپنی سمجھ اور فہم کے مطابق اُس کی تاویلیں کر لیتے ہیں، آپ کو علم ہے کہ سٹے باز، سادھوؤں اور مجذوبوں کی گالیوں اور خرافات سے نمبر اور ہندسے نکال لیتے ہیں اور داؤ لگا دیتے ہیں، یہ اعتقاد کی بات ہے، جہاں اعتقاد ہو وہاں دلیل بے کار ہے، اس لئے جیسا چلتا ہے چلنے دو، ہمارے آپ کے پاس اس کا کیا علاج! اس ضمن میں حافظ کے متعلق فتح علی سلطان بن امام قلی خاں سے ایک دل چسپ کہانی منسوب ہے جو آپ کی ضیافت طبع کے لئے درج ذیل ہے،

فتح علی سلطان اپنے وقت کا یوسف، پری رو، پری زاد، رجب کے ایک دن، زرنگار لباس پہنے، نشہ میں سرشار، حافظ کی قبر پر زیارت کے لئے گیا اور دیوان حافظ سے فال نکالی تو یہ شعر سامنے آیا

سرمست در قبائے زرافشاں چو بگذری
یک بوسہ نذرِ حافظ پشمینہ پوش کُن

فتح علی خاں ہنس دیا اور مذاق میں کہا، ایک کیا دو سہی، اگر بوسہ دئے بغیر لوٹ آیا،

ایک ہفتہ بعد حسب معمول، پھر آیا اور فال دیکھی تو یہ شعر نکلا

گفتہ بودی کہ شوم مست دو بوسہ بدہم
وعدہ از حد بشد و ما نہ دو دیدیم نہ یک

فتح علی خاں، تین بوسوں کا وعدہ کر کے ٹال گیا اور ہنستا کھیلتا گھر واپس آگیا، ایک ہفتہ کے بعد پھر زیارت کے لئے گیا تو حسب دستور پھر فال دیکھی تو یہ شعر نکلا۔

سہ بوسہ کز دو لبت کردۂ وظیفۂ من
اگر ادا نہ کنی وامدار من باشی

یہ شعر پڑھ کر فتح علی خاں چونک اٹھا اور بے تاب ہو کر حافظ کی قبر پر اس نے بوسوں کا تانتا باندھ دیا،

آپ کو معلوم ہے کہ یہ تینوں شعر حافظ کے اپنے ہیں اور اس کے مروجہ دیوان میں موجود ہیں، اگر یہ داستان سچی ہے تو حافظ کی ولائت پر شک کرنے والا کافر اور اگر یہ کہانی یار لوگوں نے گھڑ لی ہے تو پھر صاحب ایجاد کے ذہین دماغ اور اور اس کی جستجو کی داد دینا ضروری ہے،

اُمید ہے آپ خیریت سے ہوں گے، جناب وید صاحب کو میرا اسلام پہنچا دیجئے،

نیاز کیش
برہم ناتھ دت

الحاج چوہدری صمد علی صاحب کے نام

امرت سر ۲۳ جون ۱۹۵۶ء

محترم -

گرامی نامہ کے جواب میں عرض ہے کہ مغربی تخلص، محمد شیریں نام، نائین نواح اصفہان میں ۷۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۸۰۹ ہجری میں وفات پائی، شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی کے مرید ہوئے ۔ مسلک کے متعلق مجمع الفصحا میں لکھا ہے :-

" مذہبش وحدت وجود ست و مشربش لذت شہود و بجز یک معنی در ہمہ گفتارش نوال یافت ترجیعات و غزلیاتش ہمہ مشحون بحقائق توحید است "

آتش کدہ ہفت اقلیم و ریاض العارفین میں بھی اُن کا ذکر آتا ہے، غالب نے علائی کے نام ایک خط میں اُن کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے ؛-

" بیشتر اُس کے کلام میں مضامین حق آگیں ہیں، لیکن " دامان گلہ دارد " گریبان گلہ دارد " اُس زمین میں اُن کی کوئی غزل میں نے نہیں دیکھی "

جامی نے کمال خورجند اور مغربی کے دوستانہ تعلقات کا بھی ذکر کیا ہے یہ بات بعید از قیاس نہیں کیونکہ دونوں ہم عصر تھے اور تبریز ہی میں رہتے تھے، ایک بار مغربی نے کمال کے ایک شعر پر اعتراض بھی کیا تھا کہ شعر عشق مجازی کا اظہار ہے نہ کہ حقیقی کا

چشم گرایں است و ابرو این و ناز و عشوہ این
الوداع اے زہد و تقوی الفراق اے عقل و دین

کمال نے مغربی کو بتایا کہ "چشم" کو عربی میں "عین" کہتے ہیں اور عرفا کی اصطلاح میں یہ عین قدیم ہے، ابرو کو عربی میں "حاجب" کہتے ہیں، یہ حاجب صفات حق ٹھہریں، مغربی کو یہ تشریح پسند آئی، اعتراض واپس لے لیا بلکہ معافی بھی مانگی۔

مغربی کا ایک چھوٹا سا دیوان بھی ہے کچھ ترجیع بند بھی ہیں اور کچھ رباعیات بھی، کل مجموعہ ۲۳۰۰ اشعار کا ہو گا، وہ سنائی، شمس تبریز، رومی، عراقی، عطار کے تتبع تھے، خود کہتے ہیں

از موج او شده است عراقی و مغربی
در جوش او سنائی و عطار آمده

مگر اُن تک رسائی نہ ہو سکی، ایک غزل اُن کی مجھے پسند آئی ہیں نے اُس کا ترجمہ بھی کر دیا، اصل اور ترجمہ درج ذیل ہے:۔

آں کس کہ نہاں بود ز ما آمد و ما شد
واں کس کہ زما بود شما، با و شما شد

سلطانِ سر تخت شہی کرد تنزل
با آنکہ جز او ہیچ شہی نیست گدا شد

ہرگز کہ شنیدہ است ازیں طرفہ کہ یک کس
ہم خانۂ خویش آمد و ہم خانہ خدا شد

آں گوہر پاکیزہ واں دُرِّ یگانہ
چوں جوش بر آورد، زمیں گشت سما شد

درکسوتِ چونی و چرائی نتواں گفت
کاں دل بربے چون و چرا، چون و چرا شد

بنمود رخ ابروی وے زبروی خوباں
تا بر صفتِ ماہِ تو انگشت نما شد

در گلشن عالم چو ہمی سرو و چو لالہ
ہم سرخ کلاہ آمد و ہم سبز قبا شد

آں مہر سپہر ازلی کرد تجلّی
تا مغربی و مشرقی و شمس و ضیا شد

ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :-

نہ جو تھا ہم سے نہاں اُس نے کیا ہم سے ظہور — ایک مصدر سے ہوا ہے یہ من و تو کا صدور
تختِ شاہی سے اُتر آیا، شہ ہر دوسرا — شاہ لاثانی بنا خود اپنے ہی گھر کا گدا
کس نے دیکھا یہ سماں؟ کس نے یہ اعجوبہ سنا — اپنی خلقت بھی وہی اور خود کی خلقت کا خدا
وہ دُرِ یکتا کہ اپنی ذات میں بے مثل تھا — جوش میں آیا تو خود ہی بن گیا ارض و سما
گنگ ہے اُس جا زبانِ خوگرِ چون و چرا — ذات بے چون و چرا ہے مصدرِ چون و چرا
ابرِ نیساں سے ابرو اُس کا جلوہ گر ہوا — آشکارا آسمان پر ماہِ نو بن کر ہوا
گلشنِ عالم میں مثلِ لالہ و سروِ سہی — سبز پیراہن ہوا، پہنی کلاہِ سرخ بھی

جاودانی نیّرِ رخشندۂ والنور وہی
مشرق و مغرب میں ہے شمسِ ضیا گستر وہی

احقر

برہم ناتھ دت

بخشی سودیش متر کے نام

امرت سر ۳ دسمبر ۱۹۵۷ء

نورِ نظر! عمرت دراز باد!

کل تمہارا میرے کوٹ کے کاج میں گلاب کا پھول لگانا مجھے بہت پسند آیا، عمرِ گذشتہ اور اُس کی یادیں میری آنکھوں کے سامنے پھر گئیں، جوانی اور شگفتگی کے دن پھر سے یاد آ گئے،

تازگی، شگفتگی، عطر بیزی، رعنائی اور برنائی ان سب چیزوں کو احتیاط وسلیقہ سے اکٹھا کر لیا جائے تو پھر بھی یہ گلاب کا پھول نہ بن سکیں گے، کچھ کمی رہ جائے گی اور ہر چند ہمارا ذہن اس کمی کو محسوس کرتا ہے مگر الفاظ میں قلم بند کرنے سے میری طرح قاصر ہے،

ایک وقت ایسا تھا کہ گلاب کا پھول اس دنیا میں ناپید تھا، یہ کیوں کر آیا، یہ بھی سن لو، کارنتھ (یونان) میں رہوڈن تھی نام کی ایک دوشیزہ رہتی تھی، یکتائے روزگار حُسن و خوبی کی تصویر،

کیا رنگ کہوں شگفتگی کا
اک پھول کھلا تھا چاندنی کا
گیسو تھے کہ دام تھے بلا کے
ابرو تھے کہ تیغے قضا کے

زمانہ اُس پر جان دیئے ہوئے تھا اور بادشاہ اور امرا اُس کے گھر کے گرد گھیرا ڈالے پڑے تھے اور اُس کے طلب گار تھے، وہ بے چاری تنگ آ کر ایک رات گھر سے

بھاگی اور پاک دامنی کی دیوی ارٹمس کے مندر میں پناہ گزیں ہوگئی، اور مندر کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئی، عشاق نے پیچھا کیا، وارفتگی اور دیوانگی میں، مندر کی تقدیس کو خاک میں ملادیا اور دروازوں کو توڑ پھوڑ دیا،

دیوی برگشتہ ہوگئی اور اُس نے رہوڈن تھی کو تو گلاب کا پھول بنادیا اور دل پھینک عاشقوں کو کانٹے، جو پھول کو باڑ دئے ہوئے ہیں، یہ وہی مجمعِ عشاق ہے،

تمہارا نانا

ARTEMIS ارٹمس

رائے زادہ بیراندر سنگھ وید کے نام

امرت سر ۱۲ مارچ ۱۹۵۸ء

عزیز القدر۔ زندہ اور سلامت رہو!

مجھے خوشی ہوئی کہ تم میڈیکل کالج میں داخل ہو گئے، خدا تمھیں کامیاب کرے اور تم اپنے لائق اور نیک نام باپ کے نقش قدم پر چل کر اس کے نام کو اور زیادہ روشن کرو!

"ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"

یونان میں ہپوکریٹس نام کا ایک طبیب ہو گزرا ہے، ۴۶۰ ق م پیدا ہوا اور ۳۵۷ ق م اُس وفات پائی، اس کی قابلیت اور صلاحیت کا یہ عالم تھا کہ اُس نے "ابو الطب" کا نام پایا، "طبیبوں کا باپ" نہیں بلکہ "علم طب کا باپ" کیوں کہ اُس کو طبابت کا بابا آدم کہا جاتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ تمھارے نصاب کی کتابوں میں اُس کا ذکر ہو، اُس نے ایک کالج کھول رکھا تھا اور داخلہ کے وقت وہ طالب علموں سے دیوتاؤں کی حضور میں یہ حلف لیا کرتا تھا۔

میں آپالو اور دوسرے دیوتاؤں کی سوگند کھا کر اقرار کرتا ہوں کہ میں اپنی قابلیت اور ادراک کے مطابق اس حلف اور شرط کو نبھاؤں گا،

(۱) میں معلم کو باپ کی طرح سمجھوں گا، وہ میری پونجی میں برابر کا حصہ دار رہے گا، بوقت ضرورت میں اُس کی نگہبانی کروں گا۔ اس کے بیٹوں کو اپنا بھائی سمجھوں گا،

اور میں بلا معاوضہ اور بلا شرط اُن کو اس فن کی تعلیم دوں گا،

(۲) میں پند و نصائح کے طور پر، تحریر و تقریر کے ذریعہ اور دیگر مناسب اور جائز طریقوں سے اپنی اولاد کو، اپنے شاگردوں کو، مذہب اور حکمت کے اصولوں کے مطابق تعلیم دوں گا۔

(۳) میرا معالجہ میری اپنی قابلیت اور فہم کے مطابق مریضوں کے مفاد میں ہوگا، کسی صورت اور کسی حالت میں اُن کا زیاں اور نقصان متصور نہ ہوگا،

(۴) میں خطرناک دوائیں دینے سے اجتناب کروں گا، طلب کرنے پر بھی انکار کردوں گا، نہ اُن کے استعمال کے متعلق مشورہ دوں گا، میں اپنے فن اور اپنی ذات کو ان آلائشوں سے پاک رکھوں گا،

(۵) میں مریض کے گھر صرف اُس کے مفاد کے لئے جاؤں گا کسی بُرائی اور خرابی کی نیت سے نہیں،

(۶) دوران تشخیص میں لوگوں کے مخفی رازوں کے متعلق میری دید و شنید اور میری تحقیق صرف میری اپنی ذات تک محدود رہے گی اور یوں کبھی راز کی باتوں کے متعلق لب کشائی نہ کروں گا اور رازداری کو مذہبی فریضہ سمجھوں گا۔

اگر میں اس حلف اور قول پر پورا اُتروں تو دیوتا میرے فن اور میری سعی میں کامرانی عطا فرمائیں ورنہ مجھے مطعون اور برباد کریں،

یہ حلف کتنے پاکیزہ اور سود مند ہیں اور تمھارے پیشہ میں کتنے مفید،

کہنے کی ضرورت نہیں، ان کو وردِ زبان بلکہ نقشِ دل کر لو، تمھارے کام آئیں گے،

بڑھے بوڑھے چاہے اپنی زندگیوں میں کتنے ہی نکمّے، بے مصرف، بے کار اور ناکام رہے ہوں، اپنی اولاد کو ممتاز اور سر بلند دیکھنے کے خواہاں رہتے ہیں، اسی جذبہ سے متاثر ہو کر تم کو یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔

تمھارا نانا

جنابِ رتن چند صاحب اروڑہ کے نام

امرت سر

۱۷ مارچ ۱۹۵۸ء

پیارے بھائی،

پرکاش کی زبانی معلوم ہوا کہ بیماری کی طوالت سے تم نے جی ہار دیا ہے اور تم زندگی سے مایوس ہو بیٹھے ہو، مایوسی گناہ ہے۔ کفرانِ نعمت، خدا کی رحمت سے انکار، شری رام نے جب گنڈک بن میں مایوسی کے کچھ کلمات کہے تو لچھمن نے اُسی وقت ٹوک دیا کہ "کیا کرتے ہو، یہ فعل تو غیر شریفانہ ہے"، میں بھی تمھیں یہی کہتا ہوں کہ ناامیدی کے خیالات کو پاس نہ پھٹکنے دو، بیماری اور تندرستی لازم و ملزوم ہیں، دُکھ سُکھ شریر (جسم) کا بھوگ (نتیجہ) ہے، ابھی چھاؤں ہے ابھی دھوپ، حوصلہ نہ ہارو، باقاعدگی سے علاج کرتے رہو، شفا یقینی ہے!

یقین جانو! آج کی دنیا میں کوئی لاعلاج نہیں، تمھاری بیماری کی تشخیص ہو چکی ہے، تمھاری ہڈیاں، خون، فضلہ، پیشاب، معدہ، دل گردے، خون کا دباؤ، نبض اور دماغ سب کے سب ذریعہ امتحان اپنا اپنا حال اور کیفیت بالتفصیل تمھارے طبیب سے کہہ چکے ہیں، تشخیص مکمل ہو چکی ہے، تمھارے معالج متفق الرائے ہیں، معالجہ ٹھیک ہو رہا ہے، پھر تمھارے شفایاب نہ ہونے کی وجہ!

میں تمھیں ایک فرضی نہیں بلکہ ایک سچی کہانی سناتا ہوں، سنو! نتھنی گُٹیائی

ایک مزدور ہے ، ۷ اکتوبر ۱۹۵۷ء کے دن دیا جلاتے ہوئے اس کو آگ لگ گئی اُس کے جسم کا نوے فی صدی حصّہ جل گیا صرف پاؤں کے تلوے اور سر کی چوٹی بے داغ رہی، بیماری کے اس لمبے عرصے میں اس کے جسم پر انسانی کھال کے ۷۰ پیوند لگائے گئے، اُس پر ۷۰۵ کیمیائی تجربے کئے گئے، ۱۷۴۰ - ۱ اونس خون اس کے جسم میں داخل کیا گیا، ۱۳۸ ہ خوراکیں مختلف ادویات کی اُس کو کھلائی یا پلائی گئیں، ۱۳۶۰ پونڈ سیال ادویات کا ٹیکہ اس کی نسوں میں دیا گیا، اس ہولناک سانحے کی وجہ سے اُس کے پھیپھڑے نمونیا، پتھری گردہ، خون کی کمی، زخموں کی زبوں حالی کے عارضوں نے آدبوچا ع

"ہر رگ میں نیش غم ہے، کہئے کہاں کہاں کی"

والا معاملہ تھا مگر مسلسل علاج و احتیاط، خدا کے فضل و کرم کی امید، اپنے یقین اور ایمان کی مضبوطی کی بدولت آج وہ زندہ و سلامت ہے اور تمھارے وسوسوں اور بداعتقادی کی جیتی جاگتی تردید!

عزیزمن! سوجن کی معمولی تکلیف میں مبتلا ہو اور بقول معالج رو بہ صحت ہو مگر پھر بھی پریشان ہو، گھر والوں کو بلا وجہ حیران کر رہے ہو، تمھاری عمر مرنے کی نہیں بالیدگی کی ہے، تم کو پھولنا پھلنا ہے، بڑھنا ہے، میں ۷۰ سال کا بوڑھا، ذیابیطس اور دل کی بیماری میں مبتلا، ۲۰ سال سے دائم المرض ہوں اور ان عوارض کے باوجود جیئے جا رہا ہوں، اور تم ۲۵ سالہ گھبرو جوان دل چھوڑے

بیٹھے ہو، خدارا سنبھلو، مضبوط ارادہ سے مرض کا مقابلہ کرو اور اس کو پچھاڑ دو،

تمھارا بھائی

برہم ناتھ دت

جناب خوشحال چند صاحب مہر کے نام

امرت سر ۴ جولائی ۱۹۵۸ء

محترم ۔

سائنس کی نت نئی معلومات دنیا کی بربادی کا سامان پیدا کر رہی ہیں اور خدا جانے اس کا انجام کیا ہو حال ہی ہیں ایسے اٹیم بموں کا چرچا ہو رہا ہے جو سارے کے سارے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے سکتے ہیں، امریکہ اور روس پہلے ہی سے اس میدان کے شاہ سوار ہیں، اب انگلستان بھی اس دوڑ میں شامل ہو گیا ہے۔ جرمنی کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وقت آنے پر کیا گُل کھلائے ع

"تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم"

تم ہی بتاؤ جب علم ہی جدل و شر کا باعث بن جائے تو پھر اس علم سے کیا فائدہ؟ بابا فرید شکر گنج فرما گئے ہیں :۔

"اے بیچارہ اگر خواندن برائے جدل است مخواں و خلق ایذائے مرساں اگر برائے عمل است ہماں قدر کافی است کہ مے خوانند و عمل مے کنند مقصود از خواندن شریعت عمل است نہ از برائے ایذائے خلق"

اصول تو یہ ہے کہ علم برائے خیر ہو اور برائے عمل خیر نہ کہ برائے شر

علم را بر تن زنی مارے بود   علم را بر دل زنی یارے بود

ہماری حکومت بھی اٹم کے متعلق نئے تجربے کر رہی ہے مگر یہ بات باعث تسکین ہے کہ یہ منصوبے صرف صنعتی ضروریات تک محدود رہیں گے، کیونکہ ان سے انسانی فلاح ہی مقصود ہے، غارت گری سے ان کا کوئی تعلق نہیں،

ہماری گورنمنٹ نے ان غیر ملکی مظاہرات کے متعلق احتجاج بھی کیا ہے اور "پنچ شیل" اصول وضع کر کے، رائے عامہ کو جدل کے خلاف یک جا متحد کرنے کی کوشش بھی کی ہے، خدا کرے پنڈت جواہر لال نہرو کی کوششیں بار آور ہوں، انسان اور انسانیت غارت ہونے سے بچ جائے، یہ تباہ کن اور مہلک ایجادیں بے بس اور بے وسیلہ ایشیائی اور افریقی ممالک کے لئے سوہانِ روح ہیں، کیونکہ ان سے اُن کی آزادی بلکہ بقا بھی خطرے میں ہے،

جب دنیا ناگزیر حالات سے تنگ آجاتی ہے تو پھر امن جوئی کے نظریے سامنے آجاتے ہیں اور بدھ، عیسائی اور جین دھرم جیسی تحریکات زور پکڑتی ہیں تاکہ بنی نوع انسان فنا ہونے سے بچ سکے۔ اور کیا یہ حیرانی کی بات نہیں کہ آج انہی بزرگوں کے پیرو، گرجوں، مندروں، کلیسوں اور شوالوں کے عبادت گزار اس دوڑ میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں؟

نیازمند

برہم ناتھ دت

جناب ڈاکٹر سنت رام صاحب سیٹھ کے نام

امرت سر ۱۱ستمبر ۱۹۵۸ء

محترم تسلیم

. . . . . . کا جلوس بہت شان دار تھا۔ جے جے کے فلک بوس نعروں کے درمیان پھولوں سے لدی پھدی موٹر سست روی میں چیونٹی کو بھی مات دے رہی تھی، لوگوں نے جی بھر کر درشن کئے، پھول برسائے، میری ذی شان قوم کا کوئی کام بغیر سیم و زر کی نمائش کے کامیاب نہیں سمجھا جاتا، اس لئے صاحبِ جلوس پر نوٹ اُچھالے گئے گلے میں نوٹوں کے ہار ڈالے گئے، جو اپنی عظمت کے گھمنڈ میں، پھولوں کی تر و تازگی و عطر بیزی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے اور اُن سے دست و گریباں ہو رہے تھے، پھولوں کی یہ بے حرمتی دیکھ کر، صاحب جلوس کی بد مذاقی پر رونا آیا، خوب پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

صاحب جلوس کا چہرہ تابناک تھا، آسودگی، خوش حالی، اطمینان اور ہیجان کے زیر اثر گاہے اٹھتے گاہے بیٹھتے، غرض جلوس ہمارے پاس سے شان اور شوکت سے گزر گیا،

دوسرے دن سنا کہ صاحبِ جلوس گرفتار کر لئے گئے، تصادم میں تین سپاہی اور تین تماشائی اس جھگڑے میں کام آئے، خیال کیا کہ اہل جلوس ہمارے نہیں کسی دشمن ملک کے باشندے ہوں گے جو ہمارے ملک میں گھس کر، ہمارے سپاہیوں کو

تہ تیغ کر گئے، جب پتا لگا کہ اس فساد کے بانی ہمارے ہی ملک کے باسی تھے،
اور بنائے فساد یہ تھی کہ علم کا دائرہ محدود رہے اور ہماری اپنی مادری زبان
درس و تدریس میں خارج از وطن ہو جائے تو اس کم مائیگی پر مجھے پہلے سے
بھی زیادہ رونا آیا، کئی دن اپنے ماں باپ کی یاد میں روتا رہا، کیونکہ یہ بولی
انھوں ہی نے اپنی املاک کے ساتھ مجھ کو ورثہ میں دی تھی۔

میں نے صاحب جلوس کے متعلق مزید واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی تو
معلوم ہوا کہ صاحب علم وفضل ہیں، بی اے ہیں، فصیح البیان مقرر ہیں، اپنے
آپ کو شیر پنجاب کہتے ہیں، اور موجودہ حکومت کے پلٹنے کے درپے ہیں، میں نے
پوچھا، پھر یہ انگریز کی حکومت کے تو سخت مخالف رہے ہوں گے؟، معلوم ہوا،
"نہیں"، جب آزادی کے پروانوں اور دار و رسن کے شیدائیوں کا پُرشکوہ
جلوس اپنے وقار اور شان میں، اپنی منزل کی طرف تیزی سے گام زن
تھا اور جب زندہ دلان پنجاب زنداں میں بند تھے تو یہ صاحب روباہ صفت
پیچھے دبکے پڑے تھے، یہ جان کر میں نے اپنا سر پیٹ لیا اور اپنے چہرے کو
ندامت کے دامن میں چھپا لیا، خدایا! میرے وطن کا کیا حال ہوگا، جب
خود اہل وطن ہی، اپنی مادری زبان اور اپنی حکومت کی بیخ کنی کے
درپے ہیں!

میرے بھائی، میرے پیارے، اے وطن کے شیدائی! اس ماتم میں
میرا شریک حال بن۔

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

اپنے دیس کا پنجابی شاعر فضل شاہ یاد آ گیا۔ کیا بات کہہ گیا ہے

اُسے دُکھ نوں وڈھناں لوڑیوئی
جس دُکھ دے ہیٹھ آرام کیتو

احقر

برہم ناتھ دت

پنڈت منوہر لال صاحب وانچو کے نام

امرت سر

۱۸ جون ۱۹۵۹ء

بھائی بھول میں نہ رہنا، ماں کے پیٹ سے سبھی ایک جیسے پیدا ہوتے اور بے بس، صرف نیک اعمال ہی آدمی کو برہمن بناتے ہیں، اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ تم برہمن کے ہاں پیدا ہوئے تو تم بھی برہمن بن گئے، دھماپد میں اس بات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، لہذا تم بھی سُن لو!

آدمی صرف اس لئے برہمن نہیں بن جاتا کہ وہ قشقہ لگائے ہوئے ہے، یا وہ جٹا دھاری ہے یا اُسے برہمن خاندان سے کوئی نسبت ہے، یا وہ برہمنوں کے ہاں پیدا ہوا ہے، یقیں جانو، جو سچا ہے، پاک باز ہے، وہی برہمن ہے،

کپڑے چاہے اجلے ہوں یا میلے، چاہے وہ مریل ہو یا توانا، خوب رو یا بدصورت، جو اپنے ضمیر کو بلند کرنے کی فکر میں ہے وہی برہمن ہے،

چاہے مفلس ہو چاہے نادار مگر جو سفلی خواہشوں سے بیزار ہے، جو صابر ہے، جو شہوانی خواہشات سے متنفر ہے، جو ظلم و استبداد کا تن تنہا مقابلہ کرتا ہے، جو کنول کی طرح پانی میں رہ کر پانی سے متاثر نہیں ہوتا وہی برہمن ہے۔

جو کسی ذی روح کو ایذا نہیں پہنچاتا نہ کسی کو جان سے مارتا ہے، نہ کسی کو بُری ترغیب دیتا ہے وہی برہمن ہے،

جو مغلوب الغضب کے روبرو متحمل ہے جو جابر کے سامنے سلیم الطبع ہے جو لالچیوں میں رہ کر سخی ہے، وہی برہمن ہے،

جو راست باز ہے، عبرت پذیر ہے، جو دیانت دار ہے، جو جاہ و حشم کے پیچھے نہیں بھاگتا، وہی برہمن ہے،

دیکھنا، ان میں سے کون سی خوبیوں کے تم حامل ہو کہ برہمن کہلانے کے دعوے دار ہو، تمھارے کسی بزرگ نے ریاضت اور عمل سے برہمن کا رتبہ حاصل کر لیا، تم اس کی مردہ لاش کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہو، خدارا خود بھی برہمن بنو اور کوئی راستہ ایسا نکالو کہ برہمن کہلا سکو،

تمھارا بھائی
برہم ناتھ دت

جناب ڈی۔سی۔مہرصاحب کے نام

امرت سر

۲۳ جولائی ۱۹۶۰ء

عزیزم!

مرسلہ بجلی کا اُسترا مل گیا! اتنی تکلیف کیوں کی؟ راجاؤں مہاراجاؤں کے مصرف کی چیز ایک نادار کے پلّے ڈال دی! خیر رکھ لیا کہ عزیز کا بھیجا ہوا تحفہ تھا، کیوں کر واپس کرتا، حجامت اسی سے بناتا ہوں، بڑے مزے کی چیز ہے کہ پانی صابن کی ضرورت نہیں، دو منٹ میں داڑھی مونچھ صفا چٹ میدان، آس پاس کے لوگ دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں!

۱۴ جولائی کے خط میں آپ کی سیاحت کی روداد بہت دلچسپ تھی، قندھار سے روانگی ۱۳ر کی صبح، لاہور میں ورود (۹ بجکر ۳ منٹ، اور پھر ۴ بجے کلکتہ اور ۱۱ بجکر ۳۰ منٹ بنکوک اور رات آرام کرنے کے بعد عازم ہانگ کانگ، اس میں سیر و شغل، قیام و طعام، راہداری کے مراسم، مشین کی دیکھ بھال، تیل پانی سب کچھ شامل ہے،! اتنی سرعت! اتنی تیزی!

آج سے پچاس برس پہلے آپ کے اس معمول کو معجزہ سمجھا جاتا، براؤننگ نے اپنی مشہور نظم پائی پراوڈ ہیلمین میں ایک کرشمے کے طور پر "وہ بانسری والے" سے یہ کہلوایا ہے

"میں جلدی میں ہوں مجھے کھانے کے وقت بغداد پہنچنا ہے"
یعنی جرمنی سے بغداد دو چار گھنٹوں میں پہنچنا ایک ناقابل عمل بات تھی!
ہمگر ایرانی شاعر ۱۲۰۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوا، لامی اور سعدی کا ہم عصر تھا، سیر و سیاحت کا شوقین تھا، کہتا ہے، اور خطاب آسمان سے ہے

اے چرخ عنانم از سفر ہیچ متاب — نانم ز سرندیپ و آبم ز سراب
ہر شام ز بامیاں دہم قرصی نان — ہر بار ز شام دہ مرا شیریں آب

مگر اس کی یہ ہوس پوری نہ ہوئی، نہ وہ سرندیپ میں کھانا کھا سکا، نہ سراب میں پانی پی سکا اور نہ بامیاں میں اُسے روٹی مل سکی اور نہ شام میں شربت، مگر آپ کا یہ معمول ہو گیا ہے کہ ناشتہ قندھار میں تو لنچ لاہور میں، چائے کلکتہ میں تو کھانا بنکوک میں اور شب باشی ہانگ کانگ میں، کتنی عجیب اور ہما ہمی کی زندگی ہے! واپسی کب ہو گی؟

دعا گو

برہم ناتھ دت

جناب روپ لال صاحب پوری کے نام

امرتسر ۳۰ ستمبر ۱۹۶۰ء

برادر محترم !

کاروبار کی بربادی برداشت کی، گھر کی آسائش چھوڑی، قید و بند کی صعوبتیں سہیں، وطن کی خاطر کیا کیا مصیبتیں تھیں کہ تم نے نہ جھیلیں، اُس وقت اگر سر بھی کٹ جاتا تو دریغ نہ کرتے، پھر آزادی کے بعد اگر تقدیر سے اگر ٹانگ کٹ گئی تو یہ رونا دھونا کیوں؟ شکر کرو کہ جان بچ گئی اور تم بیٹھے بٹھائے فاتح اعظم تیمور لنگ کے ہم سر بلکہ ہم قدم بھی بن گئے، اگر کوئی بدتمیز لنگڑا دین کہے تو بکنے دو تمھارا کیا بگڑتا ہے، سنی ان سنی کر دو، تمھارے احباب، مداح اور نیاز مند پہلے سے بھی زیادہ تمھارے گرویدہ ہیں کہ محبّت کے ساتھ جذبۂ ہمدردی بھی شامل ہے،

تکلیفیں مصیبتیں آتی ہیں اور ٹل جاتی ہیں" ہر چہ آید بر سر فرزند آدم بگزرد" یہ بھی ٹل جائے گی، آدم کا سر ایسی چکنی مٹی سے گھڑا گیا ہے کہ اُس پر پانی نہیں ٹھہرتا، طوفان بھی گزر جاتے ہیں،

اتفاق کی بات ہے، اس سانحہ کے چند دن بعد میں نے تھیوڈ ار ٹلٹن کی ایک نظم پڑھی جس کا عنوان تھا "یہ بھی گزر جائے گا" خیال بھی نہ تھا، کہ تمھارے کام آسکے گی، یا اس کا مطالعہ سودمند ہو سکے گا، نظم کا ترجمہ درج ذیل

ہے اور امید ہے کہ تمھارے ڈھارس کا باعث بنے گا،

(۱)

پرانے وقتوں کی بات ہے، فارس کے ایک بادشاہ نے
اپنی انمول انگوٹھی پر
معنی خیز مقولہ کُھدوا رکھا تھا
جب بھی نگاہ پڑتی
اُسے نیک ہدائت مل جاتی
مقولہ یہ تھا
"ایں ہم بگزرد"

(۲)

بے شمار اونٹوں کا قافلہ صحرا پار کر کے
اُس کے لئے سمرقند سے بے بہا موتی لایا
بحری بیڑا سمندروں کو عبور کر کے ہیرے لایا
وہ خاطر میں نہ لایا
کان و بحر کے اس خزینے کو
دولت ڈھلتی چھاؤں ہے
"ایں ہم بگزرد"

(۳)

شاہی جشن کی گہما گہمی میں
رقص و سرود کی گرما گرمی میں
جب مہمان تالیاں بجا بجا کر محفل کو گرما رہے تھے
وہ ساغر و مینا کی جھنک سُن کر
بے اختیار چلّایا "اے میرے عزیز اور حسین دوستو"
عشرت آتی ہے مگر ٹھہرتی نہیں
"ایں ہم بگذرد"

(۴)

گھمسان میں لڑتے ہوئے
وہ برچھی سے گھائل ہو گیا
سپاہیوں نے اُسے زمین سے اٹھایا
خاک و خون میں لت پت اُسے خیمے میں لے گئے
شدتِ درد سے تڑپتے ہوئے
اُس نے کہا "درد ناقابلِ برداشت ہے"
مگر تحمل سے آہستہ آہستہ
"ایں ہم بگذرد"

(۵)

شہر کے کشادہ چوک میں

اُس کا قدِ آدم مجسمہ استادہ تھا
اُس نے پردیسی کا بھیس بدل کر
اپنے کندہ نام کو بغور دیکھا
اور کہا "شہرت ہے کیا؟
دھیرے دھیرے بوسیدگی کا دوسرا نام!
"ایں ہم بگزرد"

(۶)

فالج زدہ، ضعیف و نحیف
سونے کی مسہری پر پڑے ہوئے
اُس نے جاں کنی کی حالت میں کہا
"زندگی تو گئی! موت ہے کیا؟
سورج کی کرن انگوٹھی پر پڑی
اور نورانی شعاع نے کہا
"ایں ہم بگزرد"

دعا ہے کہ صحت یاب ہو کر تم جلد گھر واپس لوٹو، ہسپتال کی پابندیاں واقعی تکلیف دہ ہوتی ہیں،

تمہارا بھائی
برہم ناتھ دت